صبحِ بہار

اختر شیرانی کی نظموں کا پہلا مجموعہ

کتاب منزل لاہور

بار دوم سنہ ۱۹۴۶ء قیمت تین روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب

مالکان "کتاب منزل" کشمیری بازار لاہور

شیخ نیاز احمد پبلشر نے

اپنے علمی پرنٹنگ پریس میں باہتمام میاں فیروز الدین

پرنٹر طبع کروا کر شائع کی

فہرست مطالب

اشارات

میری نظموں کا یہ سب سے پہلا مجموعہ ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہوتا ہے۔ یوں تو اس سے پہلے دو مجموعے اور بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن میں ان کو بعض نظموں کے سوا لائقِ اعتبار نہیں سمجھتا۔ کیونکہ پہلا مجموعہ صرف بچوں کیلئے ہے اور دوسرا مخصوص طور پر خواتین کیلئے۔ خواتین والے مجموعے میں سے دو نظمیں اس مجموعے میں ضرور شامل کی گئی ہیں۔ ایک "جوگن" اور دوسری "نغمۂ سحر"۔ اول الذکر کو اس لئے لیا گیا کہ وہ میری سب سے پہلی نظم ہے اور اس لئے اس مجموعے میں اس کی شرکت ناگزیر تھی۔ ثانی الذکر کو اس لئے کہ اس میں چند بند بڑھائے گئے ہیں ؀

اکثر و بیشتر احباب کا اصرار تھا کہ اس کتاب کے ساتھ "مقدمے"، "دیباچے" یا "معرفی" کی قسم کا کوئی مبسوط مقالہ ضرور درج کیا جاتا ـــــ مقدمہ نگار کی جستجو میں تو انکا انتخاب نا تمام رہا اسلئے اپنے ہی قلم سے ایک دیباچے کی ترقیم کا خیال پیدا ہوا لیکن موجودہ جہاں گیر جنگ کی آشوب سامانیوں نے کاغذ کو اس درجہ گراں اور کمیاب بلکہ نایاب کر دیا ہے کہ دیباچے کے دو ڈھائی سو صفحات کا اضافہ حوصلہ فرسا نظر آیا۔ اس لئے یہ مجموعہ کسی ایسے مضمون کے بغیر پیش کیا جا رہا ہے ؀

اِسی طرح کاغذ کی نایابی نے، احباب کی ایک اور مفید تجویز سے قطعِ نظر کرنے پر مجبور کر دیا جس کا مفاد یہ تھا کہ جو نظم، جن حالات و تاثرات کے ماتحت لکھی گئی ہے۔ اُس کے آغاز میں، اُن حالات و تاثرات کا اظہار کر دیا جائے۔ یہ تجویز جہاں دوسروں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی، وہاں میرے لئے بھی بہت زیادہ "ولولہ انگیز" تھی مگر مجبوراً اسے بھی اشاعتِ ثانی پر اُٹھا رکھتا ہوں ؛ ع

کچھ ابھی دل کی لگی ہم نے اُٹھا رکھی ہے!

کتاب کی ترتیب میں صرف اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جو نظمیں جس ترتیب سے کہی گئی تھیں اسی ترتیب سے درج کی گئی ہیں صرف دو تین جگہ، اس پر عمل نہیں ہو سکا ؛

جن احبا و اقربا نے اُن منظومات کی فراہمی اور اشاعت کے انتظام میں کسی نہ کسی حصّہ لیا ہے اُن کا ممنونِ پذیر ہوں۔ منجملہ ذیل نام، خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں :—

ر۔ ب۔ مصوّر پشاوری۔ کنیز فاطمہ حیا لکھنوی۔ اعجاز سکندر نازش۔ س۔ ممتاز محمود ممتاز۔ پیرزادہ احمد ندیم قاسمی۔ انجم رومانی۔ صاحبزادہ حامد سعید خاں ؛

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اس قسم کے مجموعوں کی ترتیب کے باب میں اگر کوئی خاص نقطۂ مذاق و نظر رکھتے ہوں تو وہ مجھے ذیل کے پتے سے، اپنی رائے اور مشورے سے آگاہ فرمائیں۔ یہ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ باقی ماندہ نظموں کے دو مجموعے جلد شائع ہوں گے ؛

مہندی باغ۔ ٹونک راج

اختر شیرانی

نذر

"س"

"شاہِ شمشاد قداں، خسروِ شیریں دہناں کہ بمژگاں شکند قلبِ ہمہ صف‌شکناں!

مست بگذشت و نظر بر منِ درویش انداخت گفت کاے چشم و چراغِ ہمہ شیریں سخناں!

تا کے از سیم و زرت کیسہ تہی خواہد بود؟ بندہ ما باش و برخور ز ہمہ سیم تناں!

کمتر از ذرہ نہ ای پست مشو، مہر بورز! تا بخلوتگہِ خورشید رسی چرخ زناں!

دامنِ دوست بدست آر و ز دشمن بگسل! مردِ یزداں شو و ایمن گزر از اہرمناں!

بر جہاں تکیہ مکن ور قدحے می داری! شادیِ زہرہ جبیناں خور و نازک بدناں!

گفت حافظ من و تو محرمِ ایں راز نہ ایم
از مے لعل حکایت کن و سیمیں ذقناں!"

تقریب

کہو زاہد سے کیوں ہے اس قدر فردوس پر نازاں؟
ہزاروں جنّتیں آباد ہیں تخیّلِ خاطر میں!

(آغا حشر کاشمیری)

پیش لفظ

یک دست جام بادہ و یک دست زُلفِ یار
رقص چُنیں "بہ صحنِ گلستانم" آرزوست!

(مولانا رومیؒ)

نغمۂ اوّلیں

بنامِ ایزدِ بخشایندۂ دادگر!

خامہ ام رنگیں بیانی میکند در جوانیہا جوانی میکند
باز سر بر پائے سلمائے سخن جرأتِ سجدہ چکانی میکند
باز وحشت سوئے صحرا میبرد باز عشقم سرگرانی میکند
ہم صفیراں را نوید نو بہار باز طبعم گلفشانی میکند

طائرِ افکارِ عرش آثارِ من	با ملائک همعنانی میکند
طوطیِ اشعارِ شیرین کارِ من!	با عنادل، همزبانی میکند
باز رسوائیِ شوقم آرزوست	باز شوقِ من جوانی میکند
همچو کاکلهائے سلمیٰ، خامه‌ام	از زبان عنبر فشانی میکند
طوطیِ طبعِ جوانم در قفس	میلِ بزمِ بوستانی میکند
باز صهبائے محبّت می چشم	باز زهدم سرگرانی میکند
حاسداں را "پیر" بادا دل" زعم"	شاهدِ طبعم جوانی میکند
باز چوں سیلِ نسیمِ نو بهار	خامه در دستم روانی میکند
باز طبعِ نکته سنجم همچو یار	شرحِ اسرارِ نهانی میکند
باز دل با ساز و سامانِ دگر	میلِ خونابه فشانی میکند
باز ذوقِ طبع در بزمِ سخن	زنده رسمِ دوستگانی میکند
باز در مستی، صریرِ خامه‌ام	کارِ الحان و اغانی میکند

باز عکسِ جامہائے لالہ رنگ چہرۂ غم را ارغوانی میکند
عشق خود "سامان طرازِ شوق" ہست[1] "قطرہ" ام دریا فشانی میکند
باز فکرِ کہکشاں پروازِ من یک ندائے آسمانی میکند

"باز گلبانگِ پریشاں می زنم!
آتشے در عندلیباں می زنم!" (عرفی)

---

[1] غالب کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے :-

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز ذرّہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا!

جوگن

(ہندوستانِ قدیم کی ایک موسیقیانہ رات کا تصوّر)

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل بسا رہی ہے!
موسیقیٔ حزیں کے دریا بہا رہی ہے

غمگیں نوائیوں سے بیخود بنا رہی ہے
دُنیا کے ہر اثر کو دل سے مٹا رہی ہے

سوئی ہوئی فضا کا شانہ ہلا رہی ہے
ہر جنبشِ زباں سے تارے جلا رہی ہے

بیدار کر رہی ہے مدہوش گھاٹیوں کو
خوابیدہ ساحلوں کی نیندیں اڑا رہی ہے

ہر لرزشِ صبا میں طوفاں اُمنڈ رہے ہیں — کِس دُکھ بھری ادا سے تانیں لگا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

اٹکھیلیوں کا سن ہے ہنس کھیلنے کے دن ہیں — لیکن نہ جانے کیوں وہ آنسو بہا رہی ہے

آئینہ رنگ سینہ کچھ کھل رہا ہے جس میں — دوشیزگی کی گنگا طوفاں اُٹھا رہی ہے

اِک گیروا سی ساری ہے جسمِ مرمریں پر — یا ہلکی ہلکی بدلی سورج پہ چھا رہی ہے

اِک سحر با سیمیں پر لہرا رہی ہے ناگن — یا اُس کی زلفِ مشکیں سینے پہ آ رہی ہے

ہے اِک ستار اُس کے آغوشِ نازنیں میں — وہ نازک انگلیوں سے جس کو بجا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

سبزے پہ چاندنی کے بادل برس رہے ہیں — یا کوئی حورِ جنت آنسو بہا رہی ہے

ہے موجزن فضا میں اِک آبشارِ سیمیں — یا "ملکۂ" پرستاں موتی لٹا رہی ہے

اِک گردِ مرمریں ہے چھائی ہوئی اُفق پر — جس کو ہوائے صحرا ہر سُو اُڑا رہی ہے

اِک موجِ گوہریں سی ہر پھول پہ ہے رقصاں — نغمے کی رُوح رنگیں جس میں سما رہی ہے

یادِ دن کے مقبرے پر دوشیزۂ شب آ کر گلہائے نور کی اِک چادر چڑھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

فرشِ زمرّدیں پر کچھ پھول سو رہے ہیں نغمے کے پر کی جنبش جن کو جگا رہی ہے

جنگل مہک رہا ہے، کلیاں چٹک رہی ہیں ہر تان میں الٰہی کیا گُل کھلا رہی ہے

وادی میں موجزن ہے نغموں کا کیفِ لرزاں ہر پھول ہر کلی پر مستی سی چھا رہی ہے

اِک نہر بہہ رہی ہے تھوڑے سے فاصلے پر گاتی ہوئی جو اپنی منزل کو جا رہی ہے

پاگل پری روپہلی موجوں کے بربطوں پر تاروں کے دیوتا کو نغمے سُنا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

جنگل کے جانور کچھ بیٹھے ہیں اُس کے آگے رہ رہ کے جن کو اپنی بپتا سُنا رہی ہے

خونخوار شیر بھی ہیں وحشی غزال بھی ہیں لیکن وہ سب کے دل پر سکّہ جما رہی ہے

کچھ سانپ جھومتے ہیں رہ رہ کے مست ہو کر اِک موجِ وجد اُن کی رگ رگ پہ چھا رہی ہے

طاؤس ناچتے ہیں یوں بے قرار ہو کر گویا ہر ایک پر میں بجلی سما رہی ہے

ایسا سماں بندھا ہے غمگیں نوائیوں سے — رو رو کے جیسے فطرت طوفاں اُٹھا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

یہ موہنی بنی ہے کس کی لگن میں جوگن؟ — یہ سیلِ درد کس کے غم میں بہا رہی ہے؟

ہاں شاید اس کی ننھی معصوم آتمائیں — ہر کی پریم اگنی لو کے لگا رہی ہے

ہر بن میں ہر نگر میں، ہر گھر میں ہر ڈگر میں — پھر پھر کے اپنے من کی جلتا مٹا رہی ہے

یا ہر کی جستجو میں، بیکنٹھ کی آرزو میں — کاشی سے آ رہی ہے متھرا کو جا رہی ہے

یا جگ کی آفتوں سے تنگ آ کے بن میں جا کر — پرماتما کو اپنا دُکھڑا سُنا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

ہر لفظ میں چھپی ہے وحشت کی ایک دنیا — دل کی ہر آرزو کو مجنوں بنا رہی ہے

اک آگ سی بھری ہے غمگین راگنی میں — دیپک سُنا سُنا کر تن من جلا رہی ہے

روحانیت کے نغمے لب پر تڑپ رہے ہیں — ملکِ ابد کی جانب سب کو بلا رہی ہے

پردہ سا اُٹھ گیا ہے آنکھوں کے سامنے سے — کیا جانے کس جگہ کے جلوے دکھا رہی ہے

صبحِ بہار

کچھ سوز ہے بیاں میں کچھ درد داستاں میں
شعلے اُگل رہی ہے چھریاں چلا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

دُنیا سے ہو رہی ہے بیزار میری ہستی
دِل ہاتھ سے چلا ہے جاں لب پہ آ رہی ہے

بتخانۂ جبیں میں سجدے مچل رہے ہیں
کافر ادا صنم ہے، کافر بنا رہی ہے

معمورِ غم نوائی ہے ہر کلی کا دامن!
فیّاضِ مطربہ ہے نغمے لٹا رہی ہے

اِک صوتِ سرمدی ہے ہر ذرّے کی زباں پر
موسیقئ ازل کے نغمے سُنا رہی ہے

ساری فضا پہ طاری ہے اِک غبارِ ماتم
گویا تمام وادی آنسو بہا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن جنگل میں گا رہی ہے!

اب نغمے سو گئے ہیں باجہ بھی تھک چلا ہے
محشر اُٹھا چکی ہے، فتنے جگا رہی ہے

ایسی دبی صدا ہے، گویا عروسِ نغمہ!
منہ پھیر کر ہوا سے دامن چھڑا رہی ہے

یا کچھ غنودگی کے عالم میں مست کوئل
کلیوں کے راگنی سے دل گدگدا رہی ہے

کچھ کھُل گیا ہے جیسے بادل کوئی برس کر
یا شمع جل جلا کر اب جھلملا رہی ہے

لو! وہ ستار کو بھی نیند آ گئی بغل میں!   لو! وہ ستار اُٹھا کر جنگل سے جا رہی ہے

دیکھو! وہ کوئی جوگن! جنگل سے جا رہی ہے!

میں تو مگر کچھ ایسا محسوس کر رہا ہوں   جیسے وہ ظالم اب تک ویسے ہی گا رہی ہے!

اب تک فضا پہ ہے وہ کھویا ہوا سا عالم!   اب تک افق پہ یکسر مستی سی چھا رہی ہے!

اب تک اُٹھا رہا ہے ساز اُس کا ابرِ نغمہ!   اب تک زبان اُس کی بجلی گرا رہی ہے!

پھولوں سے اب تک اُس کے نغمے اُبل رہے ہیں!   پتّوں سے اب تک اُس کی آواز آ رہی ہے!

اب تک میں سر جھکائے حیرت زدہ کھڑا ہوں   اب تک وہی تجلّی آنکھوں پہ چھا رہی ہے!

دیکھو! وہ کوئی جوگن! جنگل میں گا رہی ہے!

کلیاں

نہ پھولوں کی تمنّا ہے نہ گلدستوں کی حسرت ہے!

مجھے تو کچھ اِنھی بیمار کلیوں سے محبّت ہے!

ابھی اُٹھا نہیں بادِ بہاری سے نقاب اِن کا ابھی محفوظ ہے اک خلوتِ رنگیں میں خواب اِن کا

ابھی سرمستیوں میں رات دِن سونے کی عادت ہے!

مجھے تو کچھ اِنھی بیمار کلیوں سے محبّت ہے!

ابھی ٹوٹا نہیں سورج کی کرنوں سے حجاب اِن کا ابھی رسوا نہیں ہے گل فروشوں میں شباب اِن کا

ابھی چھائی ہوئی دوشیزگی کی سادہ رنگت ہے!

مجھے تو کچھ اِنہی ہمبیار کلیوں سے محبّت ہے!

یہ ننھی ننھی پریاں ہیں بہارِ بوستانی کی
یہ پیاری پیاری حوریں ہیں بہشتِ گلفشانی کی

شمیم آبادِ گلشن میں اِنہی اِن کی حکومت ہے!

مجھے تو کچھ اِنہی ہمبیار کلیوں سے محبّت ہے!

ہوائیں جھولتے رہتے ہیں ہر دم آشیاں اُنکے
ہیں وہ ٹہنیوں کی گود میں قائم مکاں اُنکے

مکاں یا آشیاں جو کچھ بھی ہے نکہت ہی نکہت ہے!

مجھے تو کچھ اِنہی ہمبیار کلیوں سے محبّت ہے!

خزاں جن کو چرا کر لے گئی تھی اک زمانے میں
صبا لے آئی پھر موتی وہ گلشن کے خزانے میں

چمن میں ہر کلی ساون کی اک رنگیں امانت ہے!

مجھے تو کچھ اِنہی ہمبیار کلیوں سے محبّت ہے!

یہ گہری چاندنی میں جھومتی ہیں شاخساروں پر
کہ کچھ چینی کی گڑیاں ناچتی ہیں سبزہ زاروں پر

یہ عالم ہے کہ پیشانی کو سجدوں کی ضرورت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

کوئی دوشیزہ جب آغوشِ بیماری میں سوتی ہے   تو صحت سے کہیں بڑھکر حسیں معلوم ہوتی ہے

یونہی پھولوں میں اور کلیوں میں بھی فرقِ لطافت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

بہارستان کے مندر کی، ان کو دیویاں کہیے   جو گل کو کرشن کہیے، ان کو اس کی گوپیاں کہیے

کوئی جانِ ملاحت ہے، کوئی کانِ صباحت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

کوئی چھو لے اگر ان کو تو یہ کمھلا کے رہ جائیں   حیا میں اس قدر ڈوبیں کہ بس مُرجھا کے رہ جائیں

ابھی الھڑ پنے کے دن ہیں، شرمانے کی عادت ہے!

مجھے تو کچھ انہی بیمار کلیوں سے محبت ہے!

یہ جب تک بول اچھوتی رہتی ہیں بیمار رہتی ہیں   یونہی مدہوش رہتی ہیں، یونہی سرشار رہتی ہیں

غرض آٹھوں پہر ان کی یہی مستانہ حالت ہے!
مجھے تو کچھ انہی ہمیار کلیوں سے محبّت ہے!
مرا بس ہو، تو آخر میں انہی کا رنگ ہو جاؤں! ہمیشہ کیلئے ان جمپئی پردوں میں سو جاؤں!
مجھے اِن کی رسیلی گود میں مرنے کی حسرت ہے!
مجھے تو کچھ انہی ہمیار کلیوں سے محبّت ہے!

رُباعی

میخانہ بدوش ہیں گھٹائیں ساقی!
پیمانہ فروش ہیں فضائیں ساقی!
اِک جام پلا کے ہم کو کر دے مدہوش
غارت گرِ ہوش ہیں ہوائیں ساقی!

برکھا رُت

(مسوری جاتے ہوئے)

آسماں پر چھا رہا ہے ابر پاروں کا ہجوم ! نو بہاروں کا ہجوم !
آہ یہ رنگین آوارہ نظاروں کا ہجوم ! کوہساروں کا ہجوم !

بدلیاں ہیں یا کسی کے بھولے بسرے خواب ہیں بے خود و بیتاب ہیں !
یا ہوا پر تیرتا ہے رود باروں کا ہجوم ! آبشاروں کا ہجوم !

پھرتی ہیں آوارہ متوالی گھٹائیں اس طرح ! اور ہوائیں اس طرح !
جھومتا پھرتا ہو جیسے میگساروں کا ہجوم ! بادہ خواروں کا ہجوم !

وادیٔ گنگا ہے، برکھا رُت ہے، کالی رات ہے! رات ہے برسات ہے!
اور فضا میں تیرنے والے نظاروں کا ہجوم! نشّہ زاروں کا ہجوم!
نیلگوں پریاں اُفق میں پَر ہیں پھیلائے ہوئے! بال بکھرائے ہوئے!
یا اُمنڈ آیا ہے ساون کی بہاروں کا ہجوم! ابر پاروں کا ہجوم!
ننھّی ننھّی بوندیں گرتی ہیں حجابِ ابر سے! یا نقابِ ابر سے!
چھن رہا ہے قطرے بن بن کر ستاروں کا ہجوم! نُور پاروں کا ہجوم!
یہ گھٹائیں ہیں کہ خوابوں کے سفینے ہیں رواں! بے قرینے ہیں رواں!
بادبانوں میں چھپائے چشمہ ساروں کا ہجوم! جوئباروں کا ہجوم!
بجلی ہے یا نور کی زنجیر لہرائی ہوئی! پیچ و خم کھائی ہوئی!
یا خمیدہ، مرمریں پھولوں کے ہاروں کا ہجوم! اور ستاروں کا ہجوم!
یہ سماں بجلی کا، یہ مہتاب کی سی وادیاں! خواب کی سی وادیاں!
نشّے میں بھیگا ہوا یہ سبزہ زاروں کا ہجوم! یہ بہاروں کا ہجوم!

کوہساروں میں خوشی کی بستیاں آباد ہیں — مستیاں آباد ہیں!
چار سُو بکھرا پڑا ہے سبزہ زاروں کا ہجوم! — مرغزاروں کا ہجوم!
یوں نظر آتے ہیں کہسارِ مسوری دُور سے! — مست سے مخمور سے
جُوں سمندر سے جزیروں کی قطاروں کا ہجوم! — سبزہ زاروں کا ہجوم!
یہ سفر، یہ رات، یہ برسات اور پھر ہم سفر! — الاماں الحذر!
ایک حُسنِ یاسمیں، رنگیں بہاروں کا ہجوم! — ماہ پاروں کا ہجوم!
آہ یہ مخمور آنکھیں، مست سی، بیخواب سی! — نیند میں بیتاب سی!
جن سے چھلکا پڑ رہا ہے حشر پاروں کا ہجوم! — فتنہ زاروں کا ہجوم!
آہ یہ شاداب چہرہ اور یہ حُسنِ نازنیں! — اُف یہ جسمِ یاسمیں!
جیسے یک جا ہو سمٹ کر نَو بہاروں کا ہجوم! — اور ستاروں کا ہجوم!
یہ سُہانے منظر اختر مدتوں یاد آئیں گے! — مدتوں تڑپائیں گے!
آہ یہ رات، اُف یہ مستانہ نظاروں کا ہجوم! — یہ بہاروں کا ہجوم!

آج کی رات

کتنی شاداب ہے دُنیا کی فضا آج کی رات! کتنی سرشار ہے گلشن کی ہوا آج کی رات!
کتنی فیّاض ہے رحمت کی گھٹا آج کی رات! کس قدر خوش ہے خدائی سے خُدا آج کی رات!
کہ نظر آئے گی وہ ماہ لقا آج کی رات!

کیوں نہ گلزار میں اِٹھلاتی پھرے موجِ نسیم کیوں نہ ہر پھول ہو لبریزِ بہارِ تسنیم
کیوں نہ آمادۂ افلاک ہو پروازِ شمیم کیوں نہ ہر ذرّہ بنے جلوہ گہِ طُورِ کلیم
کہ اُنہیں دیکھیں گے ہم جلوہ نُما آج کی رات!

آج کیا بات ہے دُنیا کے نظارے خوش ہیں؟ باغ میں پھول سرِ چرخ ستارے خوش ہیں!
ایک بے نام سی سرمستی کے مارے خوش ہیں؟ ایک میں خوش نہیں جتنے بھی ہیں سارے خوش ہیں!
ہے خوشی چار طرف نغمہ سرا آج کی رات!

غائبانہ جو ہمیں نامے لکھا کرتی تھی دُور سے ہم پہ دل اپنا جو فدا کرتی تھی
دادِ اشعار جو گمنام دیا کرتی تھی ہو کے بے پردہ جو پردے میں رہا کرتی تھی
سامنے ہوگی وہی شوخ ادا آج کی رات!

جس کی رنگینی سے افکار ہیں مدہوش، مرے جس کی اُلفت سے ہیں اشعار پُر از جوش، مرے
جس کی فرقت میں خیالات ہیں غم کوش مرے جس کے جلووں سے تصور ہیں ہم آغوش مرے
جلوہ دکھلائے گی وہ خور لقا آج کی رات!

داستانِ دلِ بیتاب سنائیں گے اُنہیں آپ رو دینگے گلے مل کے رلائیں گے اُنہیں
خود ہی پھر رونے پہ ہنس دینگے ہنسائینگے اُنہیں اور جرأت کی تو سینے سے لگائیں گے اُنہیں
نت نئے جذبوں کی ہے نشو و نما آج کی رات!

دل کی رگ رگ میں ہے بیتاب محبت اسکی　　آنکھ کے پردے پہ لہراتی ہے صورت اسکی
خلوتِ روح میں آباد ہے الفت اس کی　　میرے جذبات پہ طاری ہے لطافت اسکی

اور کچھ یاد نہیں اس کے سوا آج کی رات!

نکہتِ حسن ہو دامان ہوا میں رقصاں،　　جذبۂ عشق ہو رنگین فضا میں رقصاں
کیف و سرمستی ہو منظر کی ادا میں رقصاں　　نور ہی نور ہو یوں ارض و سما میں رقصاں

کہ خدائی میں اتر آئے خدا آج کی رات!

واقفِ دردِ دل زار کریں گے ان کو　　غمِ الفت سے خبردار کریں گے ان کو
محرمِ جذبۂ اسرار کریں گے ان کو　　گود میں لینگے انہیں، پیار کرینگے ان کو

دل کی رگ رگ سے یہ آتی ہے صدا آجکی رات!

لیکن اظہارِ خیالات کریں گے کیوں کر؟　　شرم آتی ہے، ملاقات کریں گے کیوں کر؟
بات کرنی ہے مگر بات کریں گے کیوں کر؟　　ختم، یہ خواب کی سی رات کریں گے کیوں کر؟

آہ یہ آج کی، یہ خواب نما، آج کی رات!

اے دل، ایسا نہ ہو کچھ بات بنائے نہ بنے! حالِ دل جو بھی سنانا ہے، سنائے نہ بنے!
پاس آئیں تو، مگر پاس بٹھائے نہ بنے! شرم کے مارے اُنہیں ہاتھ لگائے نہ بنے!
کہ تصور سے بھی آتی ہے حیا آج کی رات!

یُوں تو ہر طرح، ادب مدِ نظر رکھنا ہے! حسرتِ دل کا لحاظ آج، مگر، رکھنا ہے!
بے خودی! دیکھ تجھے میری خبر رکھنا ہے! نازنیں قدموں پہ یوں ناز سے سر رکھنا ہے!
کہ تڑپ اُٹھے دلِ ارض و سما آج کی رات!

ہم میں کچھ جرأتِ گویائی بھی ہو گی کہ نہیں؟ ہمتِ ناصیہ فرسائی بھی ہو گی کہ نہیں؟
شرم سے دُور شکیبائی بھی ہو گی کہ نہیں؟ یُوسفِ دل سے "زلیخائی" بھی ہو گی کہ نہیں؟
آج کی رات! اُف او میرے خدا، آج کی رات!

انگوٹھی

چھپاؤں کیوں نہ دل میں خاتمِ گوہر نگار اُس کی
بھی نے دے کے میرے پاس ہے اک یادگار اُس کی
یہ تنہائی میں میرے لب تک آ کر مسکراتی ہے
اور اپنی مالکہ کی طرح دل کو گدگداتی ہے!
قلم کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہر وقت رہتی ہے
اور اُس کے دستِ رنگیں کے فسانے مجھ سے کہتی ہے!

طلائی انگلیوں کا جب مجھے قِصّہ سُنانی ہے
تصوّر میں ستاروں کے سے پیکر کھینچ لاتی ہے!

مری سلمٰی کو اُس نے شاد اور ناشاد دیکھا ہے
کبھی مسرور، گاہے مائلِ فریاد دیکھا ہے

اِسے معلوم ہیں اچھی طرح بیتابیاں اُس کی
نہیں پوشیدہ اِس کی آنکھ سے بیخوابیاں اُس کی

شبِ تنہائی میں اِس نے اُسے بیدار پایا ہے
اور اکثر دیدۂ سرشار کو خونبار پایا ہے!

اِسے معلوم ہے وہ کس طرح مغموم رہتی تھی!
کسی کے غم میں لطفِ زیست سے محروم رہتی تھی!

مرا خط پڑھ کے وہ کس ناز سے مسرور ہوتی تھی!
پھر اپنی بے بسی پر کس طرح رنجور ہوتی تھی!

یہ شاہد ہے کہ اُس کی شامِ غم کیوں کر گزرتی تھی!
یہ شاہد ہے کہ وہ رو رو کے کیوں کر صبح کرتی تھی!

وہ جب دل تھام لیتی تھی ہجومِ غم سے گھبرا کر
تو یہ کرتی تھی اُس کی غمگساری دل کے پاس آ کر

اسے معلوم ہے جو درد تھا اُس پاک سینے میں
بسی ہیں اُس کے دل کی دھڑکنیں اسکے نگینے میں!

پہنچتی ہیں شعاعیں اس کی جب دمِ چشمِ حیراں تک
تصوّر مجھ کو لے اُڑتا ہے سلمیٰ کے شبستاں تک

جہاں سلمیٰ کے اور میرے سوا ہوتا نہیں کوئی!
انگوٹھی کھو تی جاتی ہے مگر کھوتا نہیں کوئی!

رقّاصہ

سکوتِ شب میں یہ حسینہ کون، زبہر و وار بجنودِ ادائے رقص ہے!
کہ جس کے رقصِ ناز سے، فضائے مشکبار بنی ہوئی فضائے رقص ہے!
اٹھی ہوئی ہتھیلیوں کی جنبشیں! تلی ہوئی کمر کی ہکی گردشیں!
زمیں سے آسماں تک آج جیسے ایک ایک جلوہ مبتلائے رقص ہے!
اِدھر وہ جسمِ احمریں لچک گیا؛ اُدھر وہ ایک رقص بن کے رہ گئی!
اگر وہ اس کی ابتدائے رقص تھی تو اس کو کہیے، انتہائے رقص ہے!

کبھی کچھ ایسے، جیسے وہ پھسل گئی، کبھی کچھ ایسے، جیسے پھر سنبھل گئی!
کبھی تڑپ اُٹھی، کبھی مچل گئی، غرض عجیب ماجرائے رقص ہے!

وہ ایک پھول ہے جو بے قرار ہے، وہ ایک شعلہ ہے جسے سکوں نہیں!
کہ ایک نغمہ ہے جو آ کے شکل میں، ہوا کی طرح، مبتلائے رقص ہے!

سرورِ رقص نے دکھا دیئے جگہ جگہ ہزاروں رقص کے صنم کدے
کہ اُس کے پائے یاسمیں کی ایک ایک ہلکی لغزش اک بنائے رقص ہے!

صفات و ذات کی فضول ہے یہ بحث، رنگ و برگِ گُل، جُدا جُدا نہیں!
وہ نغمہ ہے، وہ رقص ہے، وہ رقص نغمہ ہے، وہ نغمہ انتہائے رقص ہے!

دماغ ہستِ فکر اور فکر محوِ عاجزی کہ آخر اس کو کیا کہوں
جو شیخ شہر کی نظر معاف کر دے تو کہوں یہ اک خدائے رقص ہے!

نپولین کی مراجعتِ رُوس

(ناکام فاتح کا خطاب سرزمینِ رُوس سے)

رخصت اے رُوس، آہ اے ویرانۂ خونیں بہار! اے شکوہِ قہرمانانِ جہاں کی یادگار!
کر چکی ہیں میری تلواریں ترے ہونٹوں کو پیار!

ماسکو! اے خود سر آزاد زاروں کی زمیں! قیصروں کی مرزبوم اے تاجداروں کی زمیں!
آہ، اے گہوارۂ شاہنشہانِ ذی وقار!

تیرے ویرانوں سے رخصت ہو کے اب جاتا ہوں میں! برف اور بارش کے طوفانوں سے گھبراتا ہوں میں!
یہ ہوائے تند و سرد اور یہ فضائے برف بار!

تیرے بچّوں نے تجھے برباد و ویران کر دیا! تیرے اِک اِک ذرّہ کو آتش بداماں کر دیا!
تیرے عالیشان ایواں بن چکے ہیں شعلہ زار!

ماسکو! میں تجھکو یوں بےحال کر سکتا نہ تھا! فتح کر کے اِس طرح پامال کر سکتا نہ تھا!
کر گئے برباد جیسا تیرے وحشی نابکار!

میری فوجیں چھا گئی تھیں تجھ پہ طوفاں کی طرح! ابرِ باراں کی طرح، سیلِ بیاباں کی طرح!
خاک میں ملنے ہی کو تھا تیرا صدیوں کا وقار!

پر، خدائی قہر نے ناچار مجھکو کر دیا! فتح کی تکمیل سے "بے زار" مجھ کو کر دیا!
آ رہے ہیں فتح کو ٹھکرا کے میرے شہسوار!

آہ! اِس طوفانِ برف و باد سے مجبور ہوں تیری ساری وسعتوں کی فتح سے معذور ہوں!
بازوئے فطرت سے لڑ سکتے نہیں میرے سوار!

اے زمیں! ہیں دفن تجھ میں نوجوانانِ فرانس! تیرا ہر ذرّہ ہے گورِ جنگ جویانِ فرانس!
برق آسا کوندتی تھی جن کی تیغِ آب دار!

تیرے دامن میں مرے وہ سورما ہیں محوِ خواب — ساری دنیا میں نہ تھا جنکی شجاعت کا جواب!

جن کے ڈر سے کانپ اُٹھتے تھے خود ننگ جدار!

تیری مٹّی کے سپرد انکو کیے جاتا ہوں میں! — داغِ فرقت اپنے سینے میں لیے جاتا ہوں میں!

با دلِ اندوہگیں، با دیدۂ خونابہ بار!

دیکھنا! میرے دلیروں کا کفن میلا نہ ہو! — اِن کی قبروں کی ہو ذلّت! اے زمیں ایسا نہ ہو!

مُردہ دشمن کی اہانت ہے کمینوں کا شعار!

جانتا ہوں برف کے طوفاں ہیں میرے منتظر — اِک بیابانِ ہُو کے ساماں ہیں میرے منتظر!

وحشتی کا سکت راہ میں حائل قطار اندر قطار!

اِن موانع سے بھی میں لیکن گزر ہی جاؤں گا! — بحرِ آفات و بلا سے پار اتر ہی جاؤں گا!

راستہ کر لے گی پیدا میری تیغِ آبدار!

الوداع اے روش کی خونیں بہارو! الوداع! — الوداع اے جنگ کے قاہر نظارو! الوداع

گر ملی فرصت تو آئیں گے یہاں، اگلی بہار!

تیتری
(مختلف حالتوں میں)

یہ تیتری ہے یا کوئی رنگِ پریدہ ہے   بوئے چکیدہ ہے
آغوشِ گل میں، یا کوئی نقشِ دمیدہ ہے   عکسِ کشیدہ ہے
اُٹھے تو ایک بوسۂ رقصیدہ سامنے   پاشیدہ سامنے
بیٹھے تو ایک لذّتِ خوابیدہ سامنے   دامن کشیدہ ہے
جوئے صبا میں ہلکا سا طوفانِ رنگ و بُو   ہیجانِ رنگ و بُو
دوشِ فضا پہ چھوٹا سا نیسانِ رنگ و بُو   جو صف کشیدہ ہے

صبحِ بہار

اِک پُر بہار نقش ہے عشرت کے خواب کا — عہدِ شباب کا
یا برگِ گُل پہ لرزشِ جامِ شراب کا — عکسِ رمیدہ ہے

ننھی سی اک شعاع ہے طورِ کلیم پر — سطحِ نسیم پر
رقاصۂ بہار کا فرشِ شمیم پر — رقصِ پریدہ ہے

اُبھرا ہُوا سا عکس ہے رنگین غبار کا — کیفِ خمار کا
یا شاخسارِ گل پہ عروسِ بہار کا — حُسنِ رمیدہ ہے

اِک نو عروس کی نگہِ انفعال ہے — شرمِ وصال ہے
یا اک شعاعِ پرتوِ قوس و ہلال ہے — اور نو دمیدہ ہے

رنگت ہے پھول کی سی مگر پھول سے جُدا — ہر پھول سے جُدا
یا پنکھڑی سی ہے پھول کی پر پھول سے جُدا — خود آفریدہ ہے

وہ اِک حسین نغمہ جیسے بھول جائے دل — بھولوں نہ پائے دل
پھر یک بیک کبھی جیسے یوں ڈھونڈ لائے دل — یہ نا شنیدہ ہے!

بچپن کا کوئی خواب ہے رقصاں فضاؤں میں
بدلی کی چھاؤں میں

بیتے ہوئے دنوں کا سماں ہے ہواؤں میں
اور غم کشیدہ ہے

اک حُسنِ کار کا کوئی رنگیں خیال ہے
مستِ کمال ہے

یا یہ کسی حسینہ کا شوقِ وصال ہے
جو نو رسیدہ ہے

اِک خوابِ نو مصوّرِ رنگیں طراز کا
صورت نواز کا

یا ایک مطربہ کے دلِ پُر گداز کا
لحنِ پریدہ ہے

گزرے ہوئے دنوں کی کوئی دل گداز یاد
رنگیں طراز، یاد

یا کیفِ عشق کی کوئی پُرسوز و ساز یاد
تلخی چشیدہ ہے

اُمّید ہے یہ ایک غریب الدّیار کی
حسرت شعار کی

فکرِ خزاں میں لالہ رُخِ نو بہار کی
آہِ کشیدہ ہے

موجِ شراب کی اِسے اک لہر ہی کہوں
ننھّی پری کہوں

یا موسمِ بہار کی اک تیتری کہوں
جو آرمیدہ ہے!

مجھے بد دُعا نہ دے

او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

ہیں بے وفا سہی، مجھے دادِ وفا نہ دے!

میری خطا کو اپنے کرم سے صلہ نہ دے!

غفلت کی دے سزا مگر ایسی سزا نہ دے!

او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

تسلیم ہے کہ تجھ کو ستاتا رہا ہُوں میں
تیرے حسین دل کو دُکھاتا رہا ہُوں میں
لیکن تُو اِس طرح مرے دل کو دُکھا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

اقرار ہے مجھے کہ گنہگار ہُوں ترا!
مُجرم ہوں، بے وفا ہُوں، خطاوار ہُوں ترا!
لیکن تُو رحم کر، مجھے ایسی سزا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

یہ کیا کہا "خدا کرے تیرا بھی آئے دل!
میری ہی طرح تیرا بھی کوئی دُکھائے دل!
اور دل بھی یُوں دُکھائے کہ قدرت شفا نہ دے"!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

مانا کہ تیرے عشق کو دل سے بھلا دیا!
نقشِ وفا کو سینے سے اپنے مٹا دیا!
لیکن تو میری پچھلی وفائیں بھلا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے!

تیرے غموں پہ کیوں مری اب تک نظر نہ تھی؟
کیا ہو گیا تھا مجھ کو، مجھے خود خبر نہ تھی؟
اس بے خودی کی مجھ کو خدارا سزا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے!

گو آسماں نے تجھ سے جدا کر دیا مجھے!
بیگانۂ خیالِ وفا کر دیا مجھے!
لیکن تو داغِ ترکِ خیالِ وفا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دعا نہ دے!

کالج کے مشغلوں نے نزاعِ غم بُھلا دیا!
پردیس کی فضا نے وہ عالم بُھلا دیا!
پردیسیوں کو، دل سے مگر تو بُھلا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لیئے بددُعا نہ دے!

مدّت سے خط لکھا نہ تجھے یاد ہی رکھا!
تیری ہر اک اُمید کو ناشاد ہی رکھا!
آئندہ کی اُمید کو لیکن مٹا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لیئے بددُعا نہ دے!

اپنے کیئے پہ آپ ہی پچھتا رہا ہوں میں!
تیری نگاہ درد سے شرما رہا ہوں میں!
دل سے بُھلا دے، اپنی نظر سے گرا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لیئے بددُعا نہ دے!

گزرے ہوئے دنوں کا خیال آرہا ہے پھر
آنکھوں کے آگے عہدِ وصال آرہا ہے پھر
عہدِ وصال کی قسم! اس کو بھلا نہ دے!
او نازنیں! خُدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

بیتی ہوئی بہار کی راتوں کو یاد کر!
اُن بھولی بھالی پیار کی باتوں کو یاد کر!
ماضی کا واسطہ، انہیں دل سے مٹا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

بدلا ہُوا سا محفلِ دل کا سماں ہے پھر
حسرت ہو، آرزو کہ تمنّا، جواں ہے پھر!
تو اپنی شمعِ عشق ابھی سے بُجھا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

ڈرتا ہوں، کانپتا ہوں، نری بد دُعا سے میں!
رحمت کی بھیک مانگ رہا ہوں خدا سے میں!
یُوں بد دُعا نہ دے مجھے بہرِ خدا نہ دے!
او نازنیں! خدا کے لئے بد دُعا نہ دے!

رُباعی

موسم بھی ہے، عمر بھی، شباب بھی ہے
پہلو میں وہ رشکِ ماہتاب بھی ہے
دُنیا میں اب اور چاہیئے کیا مجھکو
ساقی بھی ہے ساز بھی، شراب بھی ہے

نغمۂ سحر

سنو یہ کیسی آواز آ رہی ہے — کوئی دیہاتی لڑکی گا رہی ہے!
سحر کے دھندلے دھندلے منظروں کو — شرابِ نغمہ سے نہلا رہی ہے!
اٹھی ہے شاید آٹا پیسنے کو — کہ چکّی کی صدا بھی آ رہی ہے!
غموں سے چور اپنے ننھے دل کو — ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے!
فضا پر، بستیوں پر، جنگلوں پر — دھواں دھار ایک بدلی چھا رہی ہے!
چھما چھم مینہ کی بوندیں پڑ رہی ہیں — کہ ساون کی پری کچھ گا رہی ہے!

نئے بھیگے ہوئے سبزے کی خوشبو ہوا کے ساتھ اُڑ کر آ رہی ہے!
صبا کے مست جھونکوں کے اثر سے خوشی سی دل میں اُٹھی جا رہی ہے!
مگر ہے غم کی تاثیر اس خوشی میں گزشتہ زندگی یاد آ رہی ہے!
کوئی یاد آہ! اک غم دیدہ سی یاد سمے بچپن کے پھر دکھلا رہی ہے!
گلِ خود رو کی غم انگیز خوشبو قریبی وادیوں سے آ رہی ہے!
ہوا کی سرسراہٹ ہے کہ فطرت پُرانی زندگی دُہرا رہی ہے!
اودھر بادل کی خوف انگیز آواز فضا کو نیند سے چونکا رہی ہے!
یہ بادل ہیں کہ ہیں ساون کے سپنے ہوا جن کو اُڑا کر لا رہی ہے!
یہ بجلی ہے کہ اک مرمر کی ناگن دھوئیں کی جھیل پر لہرا رہی ہے!
یہ بوندیں ہیں کہ بجلی آسماں سے ستارے توڑ کر برسا رہی ہے!
مگر وہ غم زدہ معصوم لڑکی برابر گیت گائے جا رہی ہے!
کچھ ایسا نا تواں نغمہ ہے گویا کوئی ننھی کلی مرجھا رہی ہے!

صبحِ بہار

ہوا، ٹھنڈی ہوا بھرتی ہے آہیں   فضا، دُھندلی فضا تھرّا رہی ہے
گھروں پر، کھیتوں پر، کیاریوں پر   اُداسی ہی اُداسی چھا رہی ہے
نہ جانے کیا اثر ہے اِس صدا میں   کہ خود فطرت بھی بہکی جا رہی ہے
یہ گھر سسرال ہوگا شاید اس کا   جبھی ماں باپ کی یاد آ رہی ہے
جبھی مصروف ہے آہ و فغاں میں   جبھی غمگین لَے میں گا رہی ہے

"یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
ہوا جو گاؤں کو مہکا رہی ہے   مرے میکے سے شاید آ رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
گھٹا کی اُودی اُودی چُنریوں سے   مری سکھیوں کی بُو باس آ رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
مجھے لینے نہ آئے اچھے بابل   تمہاری یاد آفت ڈھا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
مری امّاں کو ہو اس کی خبر کیا   کہ چمپا اس جگہ گھبرا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے

نہ لی بھیّا نے بھی سُدھ بُدھ ہماری — جہاں سے چاہ اُٹھتی جا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
ہوا کی پنکھیا جھل جھل کے بجلی — مرے دل کی لگی بھڑکا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
بھلا کیوں کر تھمیں آنسو کہ جی پر — اُداسی کی بدریا چھا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
نئے پھولوں سے جنگل بس چلے ہیں — مرے مَن کی کلی کُمھلا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
کوئی اس باولی بدلی سے پُوچھے — پرائے دیس میں کیوں چھا رہی ہے

یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
جو بجلی کھیلتی تھی مجھ سے اِک دن — وہی آنکھیں مجھے دکھلا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
نہیں کھیتوں میں یہ ساون کی گُڑیاں[1] — ہماری آنکھ خوں برسا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
گھٹا ہے یا کوئی بچھڑی سہیلی — مرے گھر سے سندیسہ لا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے
گیا پینگیں بڑھانے کا زمانہ — وہ امرئیوں پہ کوئل گا رہی ہے
یہ برکھا رُت بھی بیتی جا رہی ہے“

[1] بیر بہوٹیاں۔

یُونہی وہ اپنی غمگیں راگنی سے درو دیوار کو تڑپا رہی ہے
سیاہی اُڑتی جاتی ہے اُفق سے عروسِ صبح بڑھتی آ رہی ہے
شِوالے میں گجر بھی جاگ اُٹھا ٹھناٹھن ٹھن کی آواز آ رہی ہے
کوئی چڑیا نکل کے گھونسلے سے گھنے جنگل میں منگل گا رہی ہے
کوئی بکری کہیں کرتی ہے "میں میں" کوئی بچھیا کہیں چِلّا رہی ہے
اِسے سُن سُن کے کب تک سر دُھنوگے؟
بس اخترؔ سونے دو، نیند آ رہی ہے!

رویائے شیراز

(فلسفۂ حافظ پر ایک شرح)

شب کو یوں جذبِ تصوّر نے دکھائی پرواز
کھنچ کے آنکھوں میں چلی آئی بہشتِ شیراز

نونہالانِ چمن جھوم رہے تھے جیسے
مستیٔ مے سے بہکتے ہوں بتانِ طنّاز

چار سُو عطر فشاں، موجِ نسیمِ سحری
چار سُو رقص کناں نکہتِ گُل کی پرواز

وہ درختوں کی ادا جس پہ تصدّق، فردوس
وہ پرندوں کی صدا جس پہ فدا نغمۂ ساز

نگہِ شوق ابھی سیراب ہوئی تھی نہ ذرا — کہ تصوّر کی کرامات نے بدلا انداز
دیکھتا کیا ہوں کہ اِک کنجِ بہار افشاں میں — رُوحِ حافظ ہے خوش الحانی سے یوں نغمہ طراز

"اے کہ خاموش نشینی بہ بہاراں عجب است
خیز و در کاسۂ زر، آبِ طربناک انداز!"

مُسکراتے ہوئے لہجے میں سُنی جب یہ صدا — سر جھکا کر یہ کہا میں نے بہ اِس عرضِ نیاز
ایک ہے ذہن ترا اوجِ حقیقت کو محیط! — ایک ہے فکرِ رسا تیری ثریّا پرواز
تیری نظروں میں ہیں بے پردہ کل اسرارِ حیات — نغمے کے پھٹے ہیں تابہ رگِ پردۂ ساز
لیکن اِک نکتہ سمجھ میں نہیں آیا اب تک — چہرۂ حُسنِ حقیقت سے اُٹھا پردۂ راز!
کبھی کہتا ہے کہ مرنے سے نہیں ہم کو مفر — یہ حیاتِ دو سہ روزہ نہیں سرمایۂ ناز
کبھی کہتا ہے کہ ہنگامِ عمل کو نہ گنواؤ — عرصۂ دہر میں ہمّت کے دکھاؤ اعجاز!
اِک طرف تو یہ صلا ہے کہ ہے دُنیا فانی — بزمِ ہستی ہے اِک افسانۂ محمود و ایاز
اِک طرف جوشِ نصیحت کی ہے ہر دم تاکید — کہ دریں عرصہ گہِ سعی تو طفلانہ متاز!

کوئی نغمہ نہیں یوں تو ترا الہام سے کم — لیکن اس رازِ تفاوت کا ہوں میں شکوہ طراز
یعنی مرنا ہے جب اک دن تو عمل سے کیا کام؟ — موت کا خوف ہو کیوں فکرِ عمل کا ہمساز؟

سُن کے یہ شرح بیانی مری خواجہ نے کہا
"تُو حریفِ غمِ اسرار نہ ای ہرزہ مناز!"

موت کے ذکر سے مقصود، فقط اتنا ہے — کہ نظر میں رہے ہر وقت مآلِ آغاز
یعنی اک روز جب اس گھر سے چلے جانا ہے — جب کہ مٹ جانے کو ہے رنگِ طلسماتِ مجاز
تو یہ بہتر ہے کہ سب حوصلے دل کے نکلیں — ہمّت و سعی سے انساں ہو جہاں میں ممتاز
زندہ قوموں کی فنا بھی ہے بقا کی ہم رنگ — کیونکہ یاد انکی ہے دُنیا میں عمل کی ہمراز
لوحِ ایّام مٹا دیتی ہے اُس قوم کا نام — جسکے دل میں نہ ہو احساسِ عمل، درد و گداز
مَوت برحق ہے مگر اُس سے فقط اِس لئے ڈر — کہ نہ کر دے کہیں آئینۂ فرصت کو گداز!

"عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشاں است
حالیا غلغلہ در گنبدِ افلاک انداز!"

معصومیّت

لیلیٔ شب کے پریشان ہیں گیسوئے سیاہ
شورش آباد جہاں تیرہ و تار

نشّہ برسانی ہے مدہوش ستاروں کی نگاہ
نیند میں غرق ہے سارا سنسار

چار سُو چھا گئی خاموشیٔ ظلمت کی سپاہ
نور و آہنگ نے لی راہِ فرار

نیند کی سیج سے جاگ اُٹھا ہے خوابیدہ گناہ
شیرِ خونخوار ہو جیسے بیدار

رات کے پردوں میں آباد سیہ خانے ہیں
تیرہ و تار، مہیب اور خوں ریز

ذوقِ عصیاں کے بھٹکتے ہوئے میخانے ہیں — بحرِ ظلمات میں طوفاں انگیز
معصیت کاری کے بپھرے ہوئے مستانے ہیں — روح دوشیزگی سے گرم ستیز
ان کے فولاد گوں پنجوں میں جو پیمانے ہیں — خونِ عفت سے ہیں یک سر لبریز

چار سُو موجزن اک حشرِ سیہ کاری ہے — تند، ہنگامہ فگن، طوفانی
بزمِ انسانی پہ اک ابرِ گنہ طاری ہے — قہر گوں، شعلہ فشاں، ہیجانی
ہر طرف فسق کا اک سیلِ بلا جاری ہے — شورش انگیز و پُر از طغیانی
محشرستانِ سیہ مستی و سرشاری ہے — مست ہے جلوہ گہِ انسانی!

یہ سماں دیکھ کے اِک حُور وہاں آتی ہے — مشکبو زلفوں کو بکھرائے ہوئے
اور نظر اس ہوس آباد پہ دوڑاتی ہے — فرطِ تقدیس سے گھبرائے ہوئے
عالمِ یاس میں مبہوت سی رہ جاتی ہے — اشکِ غم آنکھوں میں چھلکائے ہوئے

چاند کی روشنی اِک نشّہ سا برساتی ہے — سینۂ صاف پہ لہرائے ہوئے

فلکِ حسن کا گم گشتہ ستارہ کہئے — جس سے روشن ہے فضائے صحرا
جنّتِ قدس کا آوارہ نظارہ کہئے — جس سے رنگیں ہے ہوائے صحرا
بحرِ رعنائیِ فطرت کا کنارہ کہئے — جس سے ہے مست ادائے صحرا
جذبِ موسیقی کا اِک نقشِ دلآرا کہئے — نغمۂ رُوح فزائے صحرا

اِک فرشتوں کے سے لہجے میں وہ کرتی ہے خطاب — (آہ! وہ لہجہ حزین و غم ناک)
کہ "تم اے راہزنِ عفّت و آوارہ شباب! — سرخوشِ بے خودیِ مستیِ ناپاک"
"تم جو عفّت کا لُٹاتے ہو یہ دُرِّ نایاب — کر کے دامانِ تقدّس کو چاک"
"یہ وہ جوہر ہے جو ہے رشکِ نجوم و مہتاب — اور حیرت گہِ حسنِ افلاک"

"ہاں یہ اِک جاذبۂ فطرتِ ربّانی ہے — اور دُنیا کی مثالوں سے بری"
"عالمِ قدس کا اِک جوہرِ نورانی ہے — روشن از جلوۂ نجمِ سحری"
"اِس گنہ زار میں بہرِ دلِ انسانی ہے — رُوحِ صد مرہمِ جوز و پری"
"رُوحِ قدرت کا یہ اِک جلوۂ عرفانی ہے — یا الٰہیّتِ ذوقِ بشری"

"یہ وہ نشّہ ہے کہ ایسا کسی صہبا میں نہیں — رُوحِ کیفیّتِ صہبا کی قسم"
"یہ وہ موتی ہے کہ ایسا کسی دریا میں نہیں — قعرِ تاریکیٔ دریا کی قسم"
"یہ وہ تابش ہے جو رُخسارِ ثریّا میں نہیں — نُورِ رُخسارِ ثریّا کی قسم"
"یہ وہ لذّت ہے کہ جو اُلفتِ سلمیٰ میں نہیں — جذبۂ اُلفتِ سلمیٰ کی قسم"

"ذرّے ذرّے میں ہے اِک رُوحِ حقیقت مستُور — اور ہر ذرّے کی قیمت ہے وہی"
سینۂ شمع میں ہے سوزِ محبّت مستُور — شمعِ پُرسوز کی فطرت ہے وہی"

"غنچے کے دل میں ہے اک جذبۂ نکہت مستور — غنچے کی سرمدی صورت ہے وہی"
ہے جوانی میں یونہی عفتِ مستور — اور جوانی

"مہِ تابندہ جو محرومِ لطافت ہو جائے — نام اُس کا مہِ تاباں نہ رہے"
"روشنیِ صبحِ درخشاں کی جو غارت ہو جائے — صبح، پھر صبحِ درخشاں نہ رہے"
"شام سے دُور اگر شام کی رنگت ہو جائے — شام، شامِ شفق افشاں نہ رہے"
"گر جوانی یُونہی بیگانۂ عفت ہو جائے — زینتِ پیکرِ انساں نہ رہے"

"ساز کے پردے میں بے تاب گر آواز نہ ہو — ساز پھر ساز نہ کہلائے کبھی"
"دلِ نکہت میں اگر جذبۂ پرواز نہ ہو — صحنِ گلشن کو نہ مہکائے کبھی"
"گُل میں گر ذوقِ نمو پردہ برانداز نہ ہو — گُل نگاہوں کو نہ للچائے کبھی"
"گر جوانی میں بھی تقدیس کا انداز نہ ہو — وہ جوانی نہ نظر آئے کبھی"

”مئے رنگیں سے اگر نشہ و لذّت چھن جائے
سادہ پانی ہے وہ یا موجِ شراب“

”ماہِ تاباں سے اگر نور و لطافت چھن جائے
تودۂ خاک ہے وہ یا مہتاب“

”گُلِ رعنا سے جو رنگینیٔ و نکہت چھن جائے
سُوکھی پتّی ہے وہ یا برگِ گلاب“

”حسن جوانی سے کہ رنگینیٔ عفّت چھن جائے
اشکِ پیری ہے وہ یا نوشِ شباب“

الغرض فلسفۂ ذوقِ جوانی یہ ہے
کہ جوانی نہ لٹائی جائے“

”مئے پارینہ کی خوبی کی نشانی یہ ہے
مدّتوں تک وہ چھپائی جائے“

”عفّت اور اس کے مظاہر کی کہانی یہ ہے
شاعروں کو نہ سنائی جائے“

”مذہبِ شعر کی الہام فشانی یہ ہے
معصیت خوب بڑھائی جائے“

”کب تک اے گمرہو! یہ عالمِ غفلت کب تک؟
اور یہ نفس پرستی تا چند؟“

”موجۂ خوں میں کہو دورۂ وحشت کب تک؟
دِل میں یہ جذبۂ پستی تا چند؟“

"روح آلودۂ تاریکیٔ ذلّت کب تک؟ اور یہ جذبات کی مستی تا چند؟"
"یہ شباب اور یہ بربادیٔ عفّت کب تک؟ ہاں گناہوں کی یہ پستی تا چند؟"

"روح کے گلکدے ویران ہوئے جاتے ہیں شیطنت کاری کے سینے مسکن"
"دل کے شورش کدے سنسان ہوئے جاتے ہیں اور جذباتِ صفا کے مدفن"
"ولولے خیر کے بے جان ہوئے جاتے ہیں اور منزل گہِ صد اہرمن"
"جو تھے انسان وہ حیوان ہوئے جاتے ہیں آہ! او سفلگیٔ چرخِ کہن!"

"آئے گا ایک دن آئے گا کہ شرماؤ گے تم اور میں ہاتھ سے نکل جاؤنگی"
"عالمِ یاس میں میرے لیے گھبراؤ گے تم اور میں صورت بھی نہ دکھلاؤنگی"
"پچھلی باتوں کو ذہن میں جب لاؤ گے تم شرم بنکر تمہیں شرماؤنگی"
"یاد کر کے مجھے پھر روؤ گے، پچھتاؤ گے تم ہیں مگر ہاتھ نہیں آؤنگی"

گجرات کی رات

آج قسمت سے نظر آئی ہے برسات کی رات
کیا بگڑ جائے گا، رہ جاؤ یہیں رات کی رات!
اُن کی پا بوسی کو جائے تو صبا کہہ دینا
آج تک یاد ہے وہ آپ کے گجرات کی رات!
جس میں سلمٰی کے تصوّر کے ہیں تارے روشن
میری آنکھوں میں ہے وہ عالمِ جذبات کی رات!

ہائے وہ مست گھٹا، ہائے وہ سلمیٰ کی ادا
آہ وُہ رودِ چناب آہ وہ گجرات کی رات!

میرے سینے پہ اِدھر زُلفِ معطّر کا ہجوم
(آہ وُہ زلف کہ آوارہ خرابات کی رات)

سطحِ دریا پہ اُدھر نشّے میں لہرائی ہوئی
رنگ لائی ہوئی، چھائی ہوئی برسات کی رات

اُف وہ سوئی ہوئی، کھوئی ہوئی فطرت کی بہار
اُف وہ مہکی ہوئی، بہکی ہوئی برسات کی رات

پھر وُہ ارمانِ ہم آغوشی کا جذبِ گستاخ
آہ وہ رات وُہ سلمیٰ سے ملاقات کی رات!

کیوں نہ ان دونوں پہ مٹنے کی ہو حسرت اخترؔ
اُف وہ اُس رات کی بات، آہ وہ اُس بات کی رات!

اَے عشق کہیں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل، اِس پاپ کی بستی سے!
نفرت گہِ عالم سے، لعنت گہِ ہستی سے!
اِن نفس پرستوں سے، اِس نفس پرستی سے!
دُور ـــــ اور کہیں لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!
ہم پریم پجاری ہیں، تو پریم کنہیّا ہے!

تو پریم کنہیّا ہے، یہ پریم کی نیّا ہے!
یہ پریم کی نیّا ہے تو اس کا کھویّا ہے!

کچھ فکر نہیں لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

بے رحم زمانے کو اب چھوڑ رہے ہیں ہم!
بے درد عزیزوں سے منہ موڑ رہے ہیں ہم!
جو آس کہ تھی وہ بھی اب توڑ رہے ہیں ہم!

بس تاب نہیں لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

یہ جبر کدہ، آزاد افکار کا دشمن ہے
ارمانوں کا قاتل ہے، امیدوں کا رہزن ہے
جذبات کا مقتل ہے، جذبات کا مدفن ہے

چل یاں سے کہیں چل!
اے عشق کہیں لے چل!

آپس میں چھل اور دھوکے سنسار کی ریتیں ہیں
اس پاپ کی نگری میں اُجڑی ہوئی پریتیں ہیں
یاں نیائے کی ہاریں ہیں، انّیائے کی جیتیں ہیں

سُکھ چین نہیں، لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

اک مذبحِ جذبات و افکار ہے یہ دُنیا!
اک مسکنِ اشرار و آزار ہے یہ دُنیا
اک مقتلِ احرار و ابرار ہے یہ دُنیا

دُور اس سے کہیں لے چل!
اے عشق، کہیں لے چل!

یہ درد بھری دنیا بستی ہے گناہوں کی
دل چاک اُمیدوں کی، سفّاک نگاہوں کی
ظلموں کی، جفاؤں کی، آہوں کی، کراہوں کی

ہیں غم سے حزیں، لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

آنکھوں میں سمائی ہے اک خواب نُما دُنیا
تاروں کی طرح روشن مہتاب نُما دُنیا
جنّت کی طرح رنگیں، شاداب نُما دُنیا

لِلّٰہ وہیں لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

وہ تیر ہو ساگر کی، رُت چھائی ہو پھاگن کی
پھولوں سے مہکتی ہو پُروائی گھنے بن کی

یا آٹھ پہر جس میں جھڑ بدلی ہو ساون کی

جی بس میں نہیں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!

قدرت ہو حمایت پر ہمدرد ہو قسمت بھی

سلمیٰ بھی ہو پہلو میں سلمیٰ کی محبّت بھی

ہر شے سے فراغت ہو اور تیری عنایت بھی

اے طفلِ حسیں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!

اے عشق ہمیں لے چل، اک نُور کی وادی میں

اِک خواب کی دُنیا میں، اِک طور کی وادی میں

حوروں کے خیالاتِ مسرور کی وادی میں

تا خُلدِ بریں لے چل!

اے عشق کہیں لے چل!
سنسار کے اُس پار اک اس طرح کی بستی ہو
جو صدیوں سے انساں کی صورت کو ترستی ہو
اور جس کے نظاروں پر تنہائی برستی ہو

یوں ہو تو وہیں لے چل!
اے عشق، کہیں لے چل!
مغرب کی ہواؤں سے آواز سی آتی ہے
اور ہم کو سمندر کے اُس پار بلاتی ہے
شاید کوئی تنہائی کا دیس بتاتی ہے

چل اُسکے قریں لے چل!
اے عشق، کہیں لے چل!
ایک ایسی فضا جس تک غم کی نہ رسائی ہو

صبح بہار

دُنیا کی ہوا جس میں صدیوں سے نہ آئی ہو
اے عشق! جہاں تو ہو اور تیری خدائی ہو

اے عشق وہیں لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

ایک ایسی جگہ جس میں انسان نہ بستے ہوں
یہ مکر و جفا پیشہ حیوان نہ بستے ہوں
انساں کی قبا میں یہ شیطان نہ بستے ہوں

تو خوف نہیں لے چل!
اے عشق، کہیں لے چل!

برسات کی متوالی گھنگھور گھٹاؤں میں
کہسار کے دامن کی مستانہ ہواؤں میں
یا چاندنی راتوں کی شفّاف فضاؤں میں

اے زہرہ جبیں لے چل!
اے عشق، کہیں لے چل!
اِن چاند ستاروں کے بکھرے ہوئے شہروں میں
اِن نُور کی کرنوں کی ٹھہری ہوئی نہروں میں
ٹھہری ہوئی نہروں میں سوئی ہوئی لہروں میں

اے خضرِ حسیں لے چل!
اے عشق، کہیں لے چل!
اِک ایسی بہشت آئیں وادی میں پہنچ جائیں
جس میں کبھی دُنیا کے غم دل کو نہ تڑپائیں
اور جس کی بہاروں میں جینے کے مزے آئیں

لے چل تو وہیں لے چل!
اے عشق کہیں لے چل!

تنہائی کی وادی میں

(غالب کی پروازِ خیال کے ساتھ)

"رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو"

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو"

اہلِ عالم ہوں، نہ ربطِ دوستی و دشمنی
مہرباں کوئی نہ ہو، نا مہرباں کوئی نہ ہو

دامنِ صحرا میں چل کر یوں گزارا چاہیے
سر میں ہو بیتابِ سودا، آستاں کوئی نہ ہو

ابنِ آدم کے اثر تک سے ہو بیگانہ فضا
مرد و زن کوئی نہ ہو پیر و جواں کوئی نہ ہو

زخمہ زن ہو بربطِ دل پر نہ سوزِ عاشقی
کوئی دلدادہ نہ ہو اور دلستاں کوئی نہ ہو

اپنی فریادوں کی لَے میں اندر کھوئے رہیں
ہم نوا کوئی نہ ہو، ہم داستاں کوئی نہ ہو

دل میں پیدا ہی نہ ہو اوّل تو دردِ آرزو
ہو تو اُس کی بیکسی کا رازداں کوئی نہ ہو

رہیئے تو ہو نہ اپنے حال کا پرساں کوئی
اور اگر فریاد کیجے ہم زباں کوئی نہ ہو

"پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو"

آخر اس تنہائی کی وادی میں اپنے واسطے
جب بنے تربت تو تربت کا نشاں کوئی نہ ہو

ایک بار دیکھا

اور

دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے!

ننہیں ستاروں نے بے اختیار دیکھا ہے!
شریر چاند نے بھی بار بار دیکھا ہے!
کبھی چمن میں گئی ہو، تو مست پھولوں نے
نگاہِ شوق سے آئینہ دار دیکھا ہے!

روپہلی چاندنی نے رات کو کھلی چھت پر
ادا سے سوتے ہوئے بار بار دیکھا ہے!
بہارِ صبح کی رنگینیوں میں کھوئے ہوئے
نسیم نے تمہیں مستانہ وار دیکھا ہے!
سنہری دھوپ کی کرنوں نے بام پر تم کو
بکھیرے گیسوئے مشکیں بہار دیکھا ہے!
قریبِ شام تمہیں طائرانِ گلشن نے
ہزار بار سرِ لالہ زار دیکھا ہے!
بہشتِ حسن کی تازہ کلی کے دھوکے میں
کلی نے بھی تمہیں دیوانہ وار دیکھا ہے!
سنہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے
شفق نے تم کو سرِ جوئبار دیکھا ہے!

ہمیشہ رات کو محوِ مطالعہ تم کو
نگاہِ شمع نے پروانہ وار دیکھا ہے!
کبھی جو اُٹھی ہو گیسو سنوارنے کے لئے
تو آئینے نے تمہیں ہمکنار دیکھا ہے!
کسی خیال میں کھوئے ہوئے ہمیشہ تمہیں
سحر نے محوِ گل و شاخسار دیکھا ہے!
تمہاری خلوتِ معصوم نے ہزاروں بار
سرِ پیانو تمہیں نغمہ بار دیکھا ہے!
گھٹا نے دامنِ کہسار میں تمہیں اکثر
اسیرِ زمزمۂ آبشار دیکھا ہے!
عروسِ برق نے اپنا نقاب الٹ کے تمہیں
غریقِ مستئ ابرِ بہار دیکھا ہے!

۳۲۱۷۲

نسیمِ باغ نے زیب النّسا سمجھ کے کبھی
تمہیں بہ گُل کدۂ شالامار دیکھا ہے!
غرض مظاہرِ فطرت نے ہر طرح تم کو
ہزار بار نہیں، لاکھ بار دیکھا ہے!
مگر مری نگہِ شوق کو شکایت ہے
کہ اِس نے تم کو فقط ایک بار دیکھا ہے!
دِکھا دو ایک جھلک اور بس لگا ہوں کو!
دوبارہ دیکھنے کی ہے ہوس نگاہوں کو!

نوائے گُل!

(طرازِ تازہ)

دیارِ دوست سے کوئی پیام لیکر آئی ہے ہوائے گُل
کہ گود میں مچل رہے ہیں بے طرح حسین خندہ ہائے گُل
بہار ہے خدائے گُل، تو بوئے گُل کو جانیے دُعائے گُل!
چمن میں آکے بربطِ نسیم پہ سنے کوئی نوائے گُل
زمین و آسماں کا رازِ عشق کھُل گیا جو شوخ چاند نے
کرن کے تار تار میں پرو لئے چرا کے بوسہ ہائے گُل!
چمن میں روتے روتے بُلبُل آخر ایک گھڑی نیند سو گئی!
دبی زباں سے مرتے مرتے اتنا کہنے پائی تھی کہ ہائے گُل!

نسیمِ صبح کی رفاقتیں "حباب کی زباں" سے کہہ نہ دیں
یہ نہر لے تو جا رہی ہے، بھر کے دامنوں میں بوسہ ہائے گُل

لرز رہا ہے میرا دل کہیں خزاں کی آندھیاں گرا نہ دیں
کہ جھولتی ہے تین چار پتّیوں پہ کارواں سرائے گُل!

کہیں نہ کوچ کر رہا ہو گلستاں سے قافلہ بہار کا
یہ آج منہ اندھیرے ہی سے جاگ اٹھا ہے ورنہ کیوں درائے گُل!

مرے دل و دماغ و گوش و چشم و تن پہ کیف بن کے چھا گئی
ادائے گُل، ہوائے گُل، نوائے گُل فضائے گُل، قبائے گُل!

حریمِ رنگ و بو میں آج ملکۂ بہار جلوہ ریز ہے
نسیمِ صبح نے اٹھا دیئے ہیں ہر طرف سے پردہ ہائے گُل

یہ آرزو ہے اضطراب کہ مر کے اُس کے رنگ و بو میں سو رہوں
مرا مزار ہو سرائے گُل، مرا کفن بنے قبائے گُل!

اعترافِ محبّت

لو آؤ کہ رازِ پنہاں کو رسوا سرِ حکایت کرتا ہوں!
دامانِ زبانِ خامشی کو لبریزِ شکایت کرتا ہوں:
گھبرا کے ہجومِ حسرت سے آج افشائے حقیقت کرتا ہوں
اظہار کی جرأت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں

جب سے کہ آبادِ دنیا میں مری، اک سجدۂ افکار ہو تم!
شہرستانِ ہستی میں مری، اک معبودِ اشعار ہو تم!
اور میرے پرستش زارِ دل میں اک بُتِ شیریں کار ہو تم!

میں جس کی عبادت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!
مدّت سے محبّت کرتا تھا سو جان سے تم پر مرتا تھا
راتوں کو میں روتا رہتا تھا، راتوں کو میں آہیں بھرتا تھا
ہاں راتوں کو آہیں بھرتا تھا، پر تم سے کہتے ڈرتا تھا!
آج اس کی جسارت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!
راتوں کو مرے رونے کا سماں بیدار ستارے دیکھتے ہیں
اور میرے جنوں کے عالم کو، عالم کے نظارے دیکھتے ہیں
باغوں کے مناظر دیکھتے ہیں، نہروں کے کنارے دیکھتے ہیں
یوں شرحِ مصیبت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

حسرت بھری فریادوں کو مری باغوں کی فضائیں جانتی ہیں
فریاد سے لبریز آہوں کو صحرا کی ہوائیں جانتی ہیں
اور میرے مچلتے آنسوؤں کو ساون کی گھٹائیں جانتی ہیں
اظہارِ حقیقت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

جس دن سے وہ صورت دیکھی ہے سو آرزوئیں بیتاب سی ہیں
دن ہیں تو وہ بے آرام سے ہیں، راتیں ہیں تو وہ بیخواب سی ہیں
آنکھوں تلے ہر دم پھرتی ہیں وہ "ساعدیں" جو مہتاب سی ہیں
یادِ اُن کی صباحت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

تم چاند سے بڑھ کر روشن ہو، زہرہ کی قسم، تاروں کی قسم!
تم پھول سے بڑھ کر رنگیں ہو، فطرت کے چمن زاروں کی قسم!

تم سب سے حسیں ہو دنیا کی، دُنیا کے نظّاروں کی قسم!
دُنیا سے بھی نفرت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

اِس مکر کی دنیا میں کہ جہاں معیارِ صداقت کچھ بھی نہیں
وہ اشکوں سے بڑھ کر سچا اظہارِ محبّت کچھ بھی نہیں
روتا ہوں تمہاری یاد میں گو رونے کی شہادت کچھ بھی نہیں
پیش اتنی شہادت کرتا ہوں
میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

جب رات کی بےکس تنہائی میں آپ کو تنہا پاتا ہوں
میں بربطِ دل سے سوز و گدازِ عشق کے نغمے گاتا ہوں
اتنا تو بتا دو تم کو بھی مجھے کیا میں بھی کبھی یاد آتا ہوں
بتلاؤ کہ محبّت کرتا ہوں!

میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

گو تم سے مجھے نسبت نہیں کچھ اور ہے تو گدا و شاہ کی ہے!

وہ ذرّہ ہوں جس کے دل میں نہاں امیدِ وصالِ ماہ کی ہے!

اِک شاعرِ مفلس جس کو ہوس اک قیصرِ ذی جاہ کی ہے

پھر بھی یہ جسارت کرتا ہوں

میں تم سے محبّت کرتا ہوں!

گر حکم دو روشن تاروں کو میں لا کے جھکا دوں قدموں پہ!

جنّت کے شگفتہ پھولوں کی جنّت سی بسا دوں قدموں پہ

سجدہ گہِ مہر و ماہ کو بھی سجدے میں گرا دوں قدموں پہ

ناچیز ہوں ہمّت کرتا ہوں

میں تم سے محبّت کرتا ہوں!!

چند روز لکھنؤ میں

بعد مدّت کے نظر آیا دیارِ لکھنؤ! — دل فدائے لکھنؤ! آنکھیں نثارِ لکھنؤ!
عرشِ ساماں کیوں نہ ہو خاکِ دیارِ لکھنؤ — ہے بہارِ خُلد سے بڑھ کر بہارِ لکھنؤ
مٹ چکے ہیں گرچہ تاج و تاجدارِ لکھنؤ — پھر بھی زندہ ہے ابھی رُوحِ وقارِ لکھنؤ
مشرقی رنگِ تمدّن کی ہے خالص یادگار — کیوں نہ ہو ہر مشرقی دل سے نثارِ لکھنؤ
نو بہارِ خلد کے کھوئے ہوئے کچھ خواب ہیں — مایۂ حیرت نہیں نقش و نگارِ لکھنؤ
یہ محلِ اسلاف کی تہذیب کا گہوارہ ہے — ہند میں کافی ہے یہ تنہا وقارِ لکھنؤ
یہ فلک رتبہ مکاں! یہ خلد ساماں گلستاں — رشکِ مہر و ماہ ہیں نقش و نگارِ لکھنؤ

وہ ہے تنہا آسماں پر، اس میں ہیں لاکھوں نہاں
کیوں نہ ہو زہرہ کو رشکِ نغمہ زارِ لکھنؤ

ماہ در آغوش ہے ہر ذرّہ اس کی خاک کا
اے زہے حُسنِ "طرب گاہِ" دیارِ لکھنؤ

محفلِ شعر و ادب ہے مستِ صہبائے نیاز
ہے نگارِ لکھنؤ! بے شک نگارِ لکھنؤ

خامۂ جالبؔ کہ ہے جس پر صحافت کو غرور
ایک مدّت سے ہے مخمورِ بہارِ لکھنؤ

کس ادب سے لب پہ آتا ہے مرے احسنؔ کا نام
جن کی ہستی ہے فروغِ افتخارِ لکھنؤ

حضرت شہزادہ باقر علی خاں کا خلوص
دل میں ہے مہماں بطورِ یادگارِ لکھنؤ

چونک کر خوابِ لحد سے اپنے ویرانوں کو دیکھ!
جانِ عالم! آہ او، جانِ بہارِ لکھنؤ

آہ میری پارسائی کی یہ سادہ بیکسی!
ہائے یہ رنگینیٔ لیل و نہارِ لکھنؤ

مجھ کو ان روشن شبستانوں میں مر جانے بھی دے!
اے طرب آبادِ ہند! اے حسن زارِ لکھنؤ

ایک حسنِ نازنیں تڑپائیگا برسوں ہمیں
یہ "خلش" دل میں رہے گی یادگارِ لکھنؤ

اگلی عظمت یاد آتی ہے یہ رونق دیکھ کر
ہم تو اخترؔ اب بھی ہیں ماتم گسارِ لکھنؤ

وکٹوریہ میموریل میں

(چند زندہ تصویریں دیکھ کر)

حسین چہروں سے رنگیں نقاب اٹھائے ہوئے
شریر آنکھوں میں سو بجلیاں بسائے ہوئے

خرامِ ناز پہ مستانہ لغزشوں کا ہجوم!
فضا کی گود میں بجلی نے تھرتھرائے ہوئے

سیاہ پردوں میں شاداب و نازنیں چہرے
حسین تارے گھٹاؤں میں جگمگاتے ہوئے

گھنیری زلفوں کے سائے میں عارضوں کی بہار
اندھیری شاخوں میں کچھ پھول لہلہاتے ہوئے

سبہ نقاب میں روشن شفق نما رخسار
چراغ، رات کے پردوں میں جھلملائے ہوئے
شفق کی موجوں پہ تنویرِ رنگ و بُو رقصاں
کہ اُن کے لب پہ تبسّم سے لہلہائے ہوئے
فشردہ کھِلتے گُلِ ماہتاب کا جس کو
جوان چہروں پہ وہ نور جگمگائے ہوئے
رُخِ صبیح پہ گیسوئے مشک بُو کا ہجوم
فرشتے جانبِ افلاک پر اُٹھائے ہوئے
فضائے کاکلِ مشکیں میں شعلہ گوں عارض
سوادِ شام میں آتش کدے جلائے ہوئے
قدم قدم پہ نگاہوں کو دعوتِ سجدہ!
کنارِ شام میں بتخانے سے بسائے ہوئے

فضائے باغ میں لرزاں وہ پھول سے پیکر
شفق میں ڈوبے ہوئے، نور میں نہائے ہوئے
وہ ہر نظر میں کوئی ماجرا طراز ادا
وہ ہر ادا میں کوئی راز سا چھپائے ہوئے
زبانِ حافظ و خیام میں تکلّم ریز
شراب و شعر کے بادل فضا پہ چھائے ہوئے
بھلا سکی جنہیں صدیوں سے سرزمینِ عجم
نقاب میں وہی آتش کدے چھپائے ہوئے
ہر اک ادا محبت کے رنگ سے سرشار
میمو ریل کو سوادِ عجم بنائے ہوئے
نگاہِ یاس کو اذنِ کلام دیتی جاؤ!
مسافرانِ حزیں کا سلام لیتی جاؤ!

آنسو

میرے پہلو میں جو بہ نکلے تمہارے آنسو!
بن گئے شامِ محبّت کے ستارے آنسو!
دیکھ سکتا ہے بھلا کون یہ پیارے آنسو!
میری آنکھوں میں نہ آجائیں تمہارے آنسو!
اپنا منہ میرے گریباں میں چھپاتی کیوں ہو؟
دل کی دھڑکن کہیں سن لیں نہ تمہارے آنسو!
شمع کا عکس جھلکتا ہے جو ہر آنسو میں
بن گئے بھیگی ہوئی رات کے تارے آنسو!
مینہ کی بوندوں کی طرح ہو گئے سستے کیوں آج؟
موتیوں سے کہیں مہنگے تھے تمہارے آنسو!

صاف اقرارِ محبّت ہو زباں سے کیوں کر!
آنکھ میں آ گئے یوں شرم کے مارے آنسو!
ہجر، ابھی دور ہے، میں پاس ہوں، اے جانِ وفا!
کیوں ہوئے جاتے ہیں بے چین تمہارے آنسو!
صبحدم دیکھ نہ لے کوئی یہ بھیگا آنچل!
میری چغلی کہیں کھا دیں نہ تمہارے آنسو!
اپنے دامان و گریباں کو میں کیوں پیش کروں؟
ہیں مرے عشق کا انعام تمہارے آنسو!
دمِ رخصت ہے قریب، اے غمِ فرقت! خوش ہو!
کرنے والے ہیں جدائی کے اشارے آنسو!
صدقے اس جانِ محبّت کے میں اختر جس کے
رات بھر بہتے رہے شوق کے مارے آنسو

ارواحِ معصوم

نگاہوں میں فرشتوں کی مسرّت تھرتھراتی ہے
لبوں پہ ننھّی کلیوں کی لطافت مسکراتی ہے
وہ موسیقی جو آوارہ تھی جنّت کی بہاروں میں
زباں پہ اُن کی موجِ کیف بن کر گنگناتی ہے
وہ نکہت جو سما سکتی نہیں پھولوں کے دامن میں
وہ اِن شاداب پھولوں کی جبیں پر لہلہاتی ہے

وہ تابانی کہ طوفاں زن ہے تاروں کی شعاعوں میں
سبہ آنکھوں میں ان کی، بن کے بجلی جگمگاتی ہے
وہ شادابی جو پوشیدہ ہے حوروں کے تبسّم میں
لبوں پہ اِن کے موجِ رنگ بن کر جھلملاتی ہے
وہ رُوحانی لطافت، جس کو کھو بیٹھی ہے یہ دُنیا
ابھی، اُن کے تبسّم سے جھلک اپنی دکھاتی ہے
بہارستانِ طفلی کی یہ وہ معصوم رُوحیں ہیں
جنہیں فطرت خود اپنی دل کی گودی میں کھلاتی ہے

اے سرزمینِ گجرات!

اے سرزمینِ گجرات ، اے خلد زارِ اُلفت!

پھولوں میں تیرے رقصاں ، رُوحِ بہارِ اُلفت!

تیرا ہر ایک ذرّہ ، ہے راز دارِ اُلفت!

اے یادگارِ اُلفت!

اے سرزمینِ گجرات!

حُسن و حجاب کا اِک گہوارہ کہئے تجھ کو!

شعر و شباب کا اِک شہپارہ کہئے تجھ کو!

فطرت کا ایک رنگین نظّارہ کہئے تجھ کو!

گُل پارہ کہئے تجھ کو!

اے سرزمینِ گجرات!

اے سرزمینِ گجُرات، تُو کانِ عاشقی ہے!

پنجاب کے بدن میں، تُو جانِ عاشقی ہے!

ہاں جانِ عاشقی ہے، ارمانِ عاشقی ہے!

ایمانِ عاشقی ہے!

اے سرزمینِ گجُرات!

وہ سوہنی مہینوال، وہ عشق باز تیرے!

وہ رُوحِ عاشقی کے آوارہ راز تیرے!

سوز و گداز سے دو، لبریز ساز تیرے!

نغمہ طراز تیرے!

اے سرزمینِ گجرات!

افسانہء حزیں ہے رسوائے عالم جن کا

دنیائے عاشقی میں زندہ ہے نام جن کا

آنسو کی طرح چھلکا، اُلفت کا جام جن کا

دورِ مرام جن کا

اے سرزمینِ گجرات!

ماتم سرا ہے جن کے غم میں چناب اب تک

بیتاب، جن کی خاطر ہے ماہتاب اب تک

اور جن کو ڈھونڈتی ہے ہر موج آب اب تک

چشمِ حباب اب تک

اے سرزمینِ گجرات!

تیری ہی خاک، اُن کا گہوارۂ حسیں تھی!
تیری فضا ہی اُن کا آغوشِ نازنیں تھی!
تیرے ہی در پہ اُن کی خاک آشنا جبیں تھی!
اور سجدہ آفریں تھی!
اے سرزمینِ گجرات!

آنکھوں کے سامنے ہو، رودِ چناب جس دم
مصروفِ نور پاشی، ہو ماہتاب جس دم
اور دُور جلوہ گر ہو پہنائے آب جس دم
با اضطراب جس دم
اے سرزمینِ گجرات!

اُس دم مرے تصوّر، ہمرنگِ خواب ہو کر

لہراتے ہیں اُفق پہ امواج آب ہو کر
کرتے ہیں رقص، عکسِ صہبائے ناب ہو کر
کیفِ شراب ہو کر
اے سرزمینِ گجرات!

آتی ہے سوہنی جب دریا کے پار ہونے
عاشق کی حسرتوں پر، جا کر نثار ہونے
طوفاں کی شورشوں کا بے بس شکار ہونے
ماتم گسار ہونے
اے سرزمینِ گجرات!

دریا پہ ہیں پریشاں، وہ دل گداز نغمے
وہ سوزِ عاشقی کے شعلہ طراز نغمے
نغمے، وہ مستِ کیفِ عرضِ نیاز، نغمے!

پُر سوز و ساز نغمے

اے سرزمینِ گجرات!
موجوں کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی ہے
یا رُوحِ سوہنی کی در پردہ گا رہی ہے
اور دردِ عاشقی کے نغمے سُنا رہی ہے!
آنسو بہا رہی ہے
اے سرزمینِ گجرات!
دُنیائے عاشقی پر، احساں ہیں تیرے انبک!
حُسن آفریں، بہشتی میداں ہیں تیرے انبک!
اور عشق خیز، رنگیں بستاں ہیں تیرے انبک!
داماں ہیں تیرے انبک!
اے سرزمینِ گجرات!

عُریاں ہے حُسن، تیرے سرسبز گلشنوں میں
آوارہ عشق، تیرے شاداب دامنوں میں!
فطرت، برہنہ، تیرے پُر نُور آنگنوں میں
رنگین مسکنوں میں!
اے سرزمینِ گجرات!

اک سوہنی ہے اب بھی، دامن میں تیرے پنہاں!
اک یاسمیں ہے اب بھی گلشن میں تیرے پنہاں!
ہے اک شعاع، اب بھی آنگن میں تیرے پنہاں!
مسکن میں تیرے پنہاں!
اے سرزمینِ گجرات!

بے کیفیِ جہاں کی تکلیف سے بچا لے
للّٰلہ مجھ کو اپنے صحراؤں میں بُلا لے!

اور دوسرا مہینوال اپنا مجھے بنا لے!

دیوانوں کی دُعا لے!

اے سرزمینِ گجرات!

اِس سادہ زندگی میں لذّت نہیں ہے کوئی

اِس ساز میں نوائے بہجت نہیں ہے کوئی

اِس پھول میں شمیمِ عشرت نہیں ہے کوئی

رنگت نہیں ہے کوئی

اے سرزمینِ گجرات!

آنکھوں میں بس رہی ہیں، وہ پُر بہار راتیں!

وہ مشکبو ہوائیں، وہ مشکبار راتیں!

وہ نشہ گوں فضائیں، وہ نشہ زار راتیں!

وہ یادگار راتیں!

اے سرزمینِ گجرات!

ماضی کے آئینے سے، ہاں پھر نقاب اُٹھا دے

بُھولا ہُوا افسانہ وہ دُنیا کو پھر دکھا دے!

گجرات کی فضا کو پھر نجد سا بنا دے!

سلمیٰ سے پھر ملا دے!

اے سرزمینِ گجرات!

پھر آرزو کو رُسوا کرنے کی آرزو ہے

رونے کی اور آہیں بھرنے کی آرزو ہے

سلمیٰ کے قدموں پر سر دھرنے کی آرزو ہے!

مرنے کی آرزو ہے!

اے سرزمینِ گجرات!

بستی کی لڑکیوں میں!

(ایک دیہاتی گیت)

فریادیٔ جفائے ایّام ہو رہا ہوں

پامالِ جورِ حسرت ناکام ہو رہا ہوں   سرگشتۂ خیالِ انجام ہو رہا ہوں

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

بدنام ہو رہا ہوں

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

سلمٰی سے دل لگا کر سلمٰی سے دل لگا کر!

اُس حور وش کے غم میں دنیا و دیں گنوا کر   ہوش و حواس کھو کر صبر و سکوں لٹا کر

بیٹھے بٹھائے دل میں غم کی خلش بسا کر

ہر چیز کو بھلا کر!

سلمٰی سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

کہتی ہیں سب یہ کس کی ترسا گئی ہے صورت؟

سلمٰی کی شاید اسکے رہن بھا گئی ہے صورت!   اور اُس کے غم میں اتنی مرجھا گئی ہے صورت

مرجھا گئی ہے صورت کمھلا گئی ہے صورت!

سنولا گئی ہے صورت

سلمٰی سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

پنگھٹ پہ جبکہ ساری ہوتی ہیں جمع آ کر

گاگر کو اپنی رکھ کر گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر
یہ قصّہ چھیڑتی ہیں مجھ کو بنا بنا کر

"سلمیٰ سے باتیں کرتے دیکھا ہے اِس کو جا کر

ہم نے نظر بچا کر!

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں

راتوں کو گیت گانے جب مل کے آتی ہیں سب

تالاب کے کنارے دھومیں مچاتی ہیں سب
جنگل کی چاندنی میں منگل مناتی ہیں سب

تو میرے اور سلمیٰ کے گیت گاتی ہیں سب

اور ہنستی جاتی ہیں سب

سلمیٰ سے دل لگا کر!

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

کھیتوں سے لوٹتی ہیں جب دن چھپے مکاں کو
تب راستے میں باہم وہ میری داستاں کو   دُہرا کے چھیڑتی ہیں سلمٰی کو میری جاں کو
اور وہ حیا کی ماری سی لیتی ہے زباں کو
کیا چھیڑے اس بیاں کو
سلمٰی سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!
کہتی ہے رحم کھا کر یوں ایک ماہ طلعت
”یہ شہری نوجواں تھا کس درجہ خوبصورت   آنکھوں میں بس رہی ہے اب بھی وہ پہلی رنگت
دو دن میں آہ کیا سے کیا ہو گئی ہے حالت؟

اللہ تیری قدرت“
سلمٰی سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

اُس شمعِ رُو کا جب سے پروانہ بن گیا ہوں

بستی کی لڑکیوں میں افسانہ بن گیا ہوں   ہر ماہوش کے لب کا پیمانہ بن گیا ہوں

دیوانہ ہو رہا ہوں، دیوانہ بن گیا ہوں

دیوانہ بن گیا ہوں

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

ان کی زباں پہ میری جتنی کہانیاں ہیں

کیا جانیں یہ کہ دل کی سب مہربانیاں ہیں   کمسن ہیں، بے خبر ہیں، اٹھتی جوانیاں ہیں

کیا سمجھیں غم کے ہاتھوں کیوں سرگرانیاں ہیں!

کیوں خونفشانیاں ہیں

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

ہر اک کے رحم کا یوں اظہار ہو رہا ہے
"بیچارے کو یہ کیسا آزار ہو رہا ہے؟ دیکھے تو کوئی جانے بیمار ہو رہا ہے
کس درجہ زندگی سے بیزار ہو رہا ہے
ناچار ہو رہا ہے"
سلمیٰ سے دل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!
اک پوچھتی ہے آکر "تم بے قرار کیوں ہو؟
کچھ تو ہمیں بتاؤ یوں دلفگار کیوں ہو؟ کیا روگ ہے کہو تو تم اشکبار کیوں ہو؟
دیوانے کیوں ہوئے ہو دیوانہ وار کیوں ہو؟
با حالِ زار کیوں ہو؟"
سلمیٰ سے دل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

جاؤں شکار کو گر با ہمرہانِ صحرا

کھیتوں سے گھورتی ہیں یُوں خُتراںِ صحرا   بجلی کی روشنی کو جیسے میانِ صحرا

تاریک شب میں دیکھیں کچھ آہوانِ صحرا

حیرت کشانِ صحرا

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

اِک شوخ چھیڑتی ہے اِس طرح پاس آ کر

"دیکھو وہ جا رہی ہے سلمیٰ نظر بچا کر!   شرما کے، مسکرا کر، آنچل سے منہ چھپا کر

جاؤ نا پیچھے پیچھے دو باتیں کر لو جا کر!

کھیتوں میں چھپ چھپا کر!"

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

گویا ہیں یوں حسد سے کچھ نازنیں نگاہیں

سلمیٰ کی بھا گئی ہیں کیوں دلنشیں نگاہیں؟ ان سے زیادہ دلکش، ہیں بہ حسیں نگاہیں"

القصہ ایک دل ہے، سو خشمگیں نگاہیں

شوق آفریں نگاہیں

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

اِک شوخ تازہ واردِ سسرال سے گھر آ کر

سکھیوں سے پوچھتی ہے جب دم مجھے بتا کر "یہ کون ہے" تو ظالم کہتی ہیں مسکرا کر

"تم اِس کا حال پوچھو سلمیٰ کے دل سے جا کر!"

یہ گیت اُسے سنا کر

سلمیٰ سے دل لگا کر

بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہوں!

ایک تلخ اِعتراف

کسی سے کبھی دل لگایا نہ تھا　　محبّت کا صدمہ اُٹھایا نہ تھا
حسینوں کے رونے پہ ہنستے تھے ہم　　کبھی ایک آنسو بہایا نہ تھا
کوئی حُور ہو یا پری، اپنا سر　　کسی آستاں پر جھکایا نہ تھا
دُکھاتے رہے نازنینوں کے دل　　کسی نے دل اپنا دُکھایا نہ تھا
وہ دل تھا ہمارا کہ جس میں کبھی　　فرشتوں نے بھی بار پایا نہ تھا
سیہ گیسوؤں کو تمنّا رہی　　مگر دل کو ہم نے پھنسایا نہ تھا

کوئی کیسا ہی ماہرو ہو مگر ہماری نظر میں سمایا نہ تھا

زمانے میں وہ کون تھا زہرہ وش کہ سینے سے جس نے لگایا نہ تھا

کوئی ہم سے کتنا ہی روٹھا مگر کبھی بھول کر بھی منایا نہ تھا

حسینوں کے دل ہم نے چھینے سدا مگر خود کبھی دل لگایا نہ تھا

کوئی نازنیں ہو کہ نازک بدن کسی کا کبھی ناز اُٹھایا نہ تھا

ہمیشہ سُنے دوسروں کے گلے کسی کا گلہ لب پہ آیا نہ تھا

بسر کی سدا عیش و عشرت میں عمر کبھی رنج، ہم نے اُٹھایا نہ تھا

مئے عیش سے مست بیخود رہے مزہ تلخیٔ غم کا پایا نہ تھا

مگر اک جھلک نے ہمیں کھو دیا یہ صدمہ تو ہم نے اٹھایا نہ تھا

کیا عشق کے درد میں مبتلا "فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا

کہ جس کے عِوض یوں رُلانے لگا"

ایک آرزو

سارے سنسار پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے
جس طرف دیکھئے اک تازہ بہار آئی ہے
اِس قدر مست ہوا ہے کہ فلک سے گویا
باغِ فردوس کی خوشبوئیں چرا لائی ہے
فطرتِ کہنہ گُل افشاں ہے قبائے نَو میں
عالمِ پیر کو پھر دعوتِ رعنائی ہے

دل مچلتا ہے فضاؤں سے لپٹنے کے لئے
موجزن آج کچھ اس طرح کی رعنائی ہے
مینہ برستا ہے کہ ساون کی پری جنت سے
آبِ کوثر کی کوئی نہر بہا لائی ہے
بیخودی کہتی ہے ہر ذرّے کے بوسے لیجے
کیسی ہر ذرّے پہ رنگینی ہے زیبائی ہے
خوشنما پھولوں سے لبریز ہے گلشن کہ ہوا
اپنے دامن میں کوئی خلد اٹھا لائی ہے
یہ تو سب کچھ ہے مگر اب بھی کسر ہے باقی
دل کسی اور کسی کا بھی تمنائی ہے
کُل نظارہ سے تکمیل کی بو آجائے!
اگر ایسے میں کسی سمت سے تُو آجائے!

ایک عزیز کی واپسی یورپ پر

مضطرب تھا ترا محبوب وطن تیرے لئے!
خاک بر سر تھا یہ شاداب چمن تیرے لئے!
چشمِ مینا سے لہو روتا تھا میخانۂ ہند
کتنا غمگین تھا یہ دیرِ کہن تیرے لئے!
بمبئی تک ترے مشتاق چلے آتے ہیں
تیرے دیرینہ رفیقانِ وطن تیرے لئے!
خیر مقدم کے لئے شوق سے ہے چشم براہ
گلشنِ ہند کا ہر سرو و سمن تیرے لئے!

کلفتِ راہ مٹانے کو ہے ساغر در دست
منتظر میکدۂ گنگ و جمن تیرے لئے!

فرش کے بدلے بچھاتی ہے نسیمِ سحری
نکہتِ نسترن و بوئے سمن تیرے لئے!

اتنا بےخود ہے خوشی سے کہ بجز گردشِ جام
گردشیں بھول گیا چرخِ کہن تیرے لئے!

پھر وطن میں ہو مبارک ترا آنا تجھ کو
یوں دعا گو ہیں عزیزانِ وطن تیرے لئے!

رشکِ صد جنتِ رنگیں ترا مستقبل ہے!
یوں ثنا خواں ہیں جوانانِ چمن تیرے لئے!

دلِ اختر سے نکلتی ہے یہ مستانہ دعا
تو وطن کے لئے ہو اور وطن تیرے لئے!

ایک حُسن فروش سے

محبّت آہ تیری یہ محبّت رات بھر کی ہے!
تری رنگین خلوت کی لطافت رات بھر کی ہے!

ترے شاداب ہونٹوں کی عنایت رات بھر کی ہے!
ترے مستانہ بوسوں کی حلاوت رات بھر کی ہے!

مہِ روشن ہے تُو اور تیری طلعت رات بھر کی ہے!
گُلِ خوشبو ہے تُو اور تیری نکہت رات بھر کی ہے!

تو کیا جانے کہ سودائے محبّت کس کو کہتے ہیں؟
محبّت اور محبّت کی لطافت کس کو کہتے ہیں؟
غمِ ہجراں ہے کیا اور سوزِ اُلفت کس کو کہتے ہیں؟
جنوں ہوتا ہے کیسا اور وحشت کس کو کہتے ہیں؟
تُو کیا جانے غمِ شب ہائے فرقت کس کو کہتے ہیں؟
ترے اظہارِ الفت کی فصاحت رات بھر کی ہے!

نگاہِ مست سے دل کو مرے تڑپا رہی ہے تُو!
ادائے شوق سے جذبات کو بھڑکا رہی ہے تُو!
مجھے بچّے کی صورت ناز سے پھُسلا رہی ہے تُو!
کھلونے دے کے بوسوں کے مجھے بہلا رہی ہے تُو!
مگر ناداں ہے تُو! آہ دھوکا کھا رہی ہے تُو!
مجھے معلوم ہے تیری محبّت رات بھر کی ہے!

ترا روئے درخشاں ہے بظاہر ماہتاب آسا!
ترے ہونٹوں کی شادابی ہے رنگت میں شراب آسا!
ترے رخسار کی مہتابیاں ہیں آفتاب آسا!
مگر ان کی حقیقت ہے حباب آسا، سراب آسا!
کہ غازے کی صباحت اس پہ چھائی ہے نقاب آسا!
اور اس غازے کی بھی جھوٹی صباحت رات بھر کی ہے

یہ مانا تیری خلوت کی فضا، روحِ گلستاں ہے!
تری خلوت کا ہر فانوس اک مہتابِ لرزاں ہے!
ترا ابریشمی بستر نہیں اک خوابِ خنداں ہے!
ترا جسم آفتِ دل، تیرا سینہ آفتِ جاں ہے!
تو اک زندہ ستارہ ہے جو تنہائی میں تاباں ہے!
مگر کہتے ہیں تاروں کی حکومت رات بھر کی ہے!

لطافت سے ہیں خالی تیرے کملائے ہوئے بوسے!
طراوت سے ہیں خالی تیرے مرجھائے ہوئے بوسے!
نزاکت سے ہیں خالی تیرے گھبرائے ہوئے بوسے!
حقیقت سے ہیں خالی تیرے شرمائے ہوئے بوسے!
محبّت سے ہیں خالی تیرے گھبرائے ہوئے بوسے!
اور اِن بوسوں کی یہ جھوٹی حلاوت رات بھر کی ہے!

ترے زہریلے بوسے مجھ کو جس دم یاد آئیں گے!
مرے ہونٹوں پہ کالے ناگ بن کر تھرتھرائیں گے!
پشیمانی کے جذبے مجھ کو دیوانہ بنائیں گے
مرے افکار کو نفرت کے خنجر گدگدائیں گے
مرے دل کی رگوں میں غم کے شعلے تیر جائیں گے
بس سمجھا، آہ سمجھا یہ مسرّت رات بھر کی ہے

مجھے دیوانہ کرنے کی مسرّت، بے خبر کب تک؟

رہے گی میرے دل میں تیری اُلفت کارگر کب تک؟

مجھے مسحور رکھّے گا یہ عشقِ بے ثمر کب تک؟

حقیقت کی سحر آخر نہ ہوگی پردہ در کب تک؟

مجھے مغلوب کر کے خوش ہے تُو ظالم مگر کب تک؟

تری یہ فتح میری یہ ہزیمت رات بھر کی ہے؟

آہ وہ راتیں!

جبینِ بندگی سے شوق کے سجدوں کی بارش ہے
اور اُن کے بھُولنے والی نگاہوں سے گزارش ہے
کہ وہ گزری ہوئی مستانہ راتیں یاد ہیں اب بھی؟
وہ راتیں، وہ ملاقاتیں، وہ باتیں، یاد ہیں اب بھی؟
وہ راتیں، آہ، جن کی گود میں ہم چھپ کے ملتے تھے
وہ باتیں جن کے پردوں میں دلوں کے تار ہلتے تھے

وہ راتیں، آہ، جو سیراب تھیں جوئے محبّت سے
وہ باتیں، آہ، جو شاداب تھیں بوئے محبّت سے
وہ راتیں، جب محبّت کے فسانے جاگ اُٹھتے تھے
ربابِ دل کے خوابیدہ ترانے جاگ اُٹھتے تھے
کتابِ عاشقی کے جب اُلٹتے تھے ورق ہم تم!
وہ راتیں، جن میں بے خوابی کے لیتے تھے سبق ہم تم!
سکوں سوتا تھا جب، بیتابیاں ہشیار ہوتی تھیں
وہ راتیں، جن میں دل کی دھڑکنیں بیدار ہوتی تھیں
سکون و صبر کھو دیتی تھیں جب تم، آہ وہ راتیں!
خیالِ غم سے رو دیتی تھیں جب تم، آہ وہ راتیں!
اگر تم کو یہ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں!
اور آغازِ محبّت کی وہ راتیں یاد آ جائیں!

تو اُن راتوں کی رنگیں داستانی کی قسم تم کو!
اور اپنی پاک و دوشیزہ جوانی کی قسم تم کو!
جو، اُن راتوں میں روشن تھے قسم ہے اُن ستاروں کی
جو، اُن راتوں میں بکھرے تھے قسم ہے اُن نظاروں کی
محبّت کی اُنھی معصوم راتوں کی قسم تم کو!
حقیقت کی اُنھی "موہوم" راتوں کی قسم تم کو!
قسم اُس پاکبازی کی، جو تھی باہم خیالوں میں
قسم اُس بے نیازی کی جو تھی باہم سوالوں میں
اُنھی بہکی ہوئی نیچی نگاہوں کی قسم تم کو!
انھی کھوئی ہوئی خاموش آہوں کی قسم تم کو!
قسم اُس چاک دامانی کی، جو مجبورِ وحشت تھی
قسم اُس پاک دامانی کی جو مغرورِ عفّت تھی

قسم اُن آنسوؤں کی جو بہائے تھے کبھی تم نے!
وہ سیّارے جو آنکھوں سے گرائے تھے کبھی تم نے!

شروعِ عشق کی بے تابیوں کی ہے قسم تم کو!
زبانِ عہد کی بے خوابیوں کی ہے قسم تم کو!

فقط اتنا بتا دو! کیا وہ باتیں پھر نہ آئیں گی؟
وہ راتیں! آہ وہ راتیں! وہ راتیں! پھر نہ آئیں گی؟

ایک شاعرہ کی شادی پر

(جس کو شکایت تھی کہ وہ دنیا میں صرف شاعرانہ
زندگی گزارنے آئی ہے")

اے کہ تھا اُنس تجھے عشق کے افسانوں سے!
زندگانی تری آباد تھی رومانوں سے!
شعر کی گود میں پلتی تھی جوانی تیری!
تیرے شعروں سے اُبلتی تھی جوانی تیری!

رشکِ فردوس تھا ہر حسن بھرا خواب ترا!
ایک پامال کھلونا تھا یہ مہتاب ترا!
نکہتِ شعر سے مہکی ہوئی رہتی تھی سدا!
نشّۂ فکر میں بہکی ہوئی رہتی تھی سدا!
شرکتِ غیر سے بیگانہ تھے نغمے تیرے!
عصمتِ حور کا افسانہ تھے نغمے تیرے!
شعر کی خلوتِ رنگیں تھی پری خانہ ترا!
مست خوابوں کے جزیروں میں تھا کاشانہ ترا!
غائب از چشم تھی جنّت کی بہاروں کی طرح
دستِ انساں سے تھی محفوظ، ستاروں کی طرح!
صحبتِ غیر سے گھبراتی تھی تنہائی تری!
آئینے سے بھی تو شرماتی تھی تنہائی تری!

صبح کی طرح سے دوشیزہ تھی ہستی تیری!
بوئے گل کی طرح پاکیزہ تھی ہستی تیری!
نغمۂ شعر کے فردوس میں تو رہتی تھی!
پیکرِ الہام و ترنم تھا جو تو کہتی تھی!
تیرے اشعار تھے جنت کی بہاروں کے ہجوم!
تیرے افکار تھے، زرّیں ستاروں کے ہجوم!
دردِ شعری کے تاثر سے تو مغموم تھی تو!
آسماں کا مگر اک غنچۂ معصوم تھی تو!
موجِ کوثر کا چھلکتا ہوا پیمانہ تھی!
غیر ہونٹوں کے تصور سے بھی بیگانہ تھی!

اب گوارا ہوئی کیوں غیر کی صحبت تجھ کو؟

کیوں پسند آ گئی ناجنس کی شرکت تجھ کو ؟
اوجِ تقدیس کو پستی کی ادا بھا گئی کیوں ؟
تیری تنہائی کی جنت پہ خزاں چھا گئی کیوں ؟

شعر و رومان کے وہ خواب کہاں ہیں تیرے ؟
وہ نقوشِ گل و مہتاب کہاں ہیں تیرے ؟
کون سی طرفہ ادا بھا گئی اس دنیا میں ؟
خلد کو چھوڑ کے کیوں آ گئی اس دنیا میں ؟

ہو گئی عام تو نورِ مہِ تاباں کی طرح !
آہ ! کیوں جل نہ بجھی شمعِ شبستاں کی طرح !
اپنی دوشیزہ بہاروں کو نہ کھونا تھا کبھی !
وہ کلی تھی تو، جسے پھول نہ ہونا تھا کبھی !
عفتیں مٹ کے، جوانی کو مٹا جاتی ہیں !

پھول کھلاتے ہیں، کلیاں کہیں کھلاتی ہیں؟
بلبلِ مست نوا، دشت میں کیوں رہنے لگی؟
نغمۂ تر کی جگہ مرثیہ کیوں کہنے لگی؟
ہوس آلودہ ہوئی پاک جوانی تیری!
عنبر کی رات ہے اب، اور کہانی تیری!
کس کو معلوم تھا تو اس قدر ارزاں ہو گی!
زینتِ محفل و پامالِ شبستاں ہو گی!
جذبۂ عفت کا میسّر تھا جو عرفاں تجھ کو!
کیوں نہ مرغوب ہوا شیوۂ جاناں[1] تجھ کو!
تیرگی، حرص کی، حوروں کو بھی بہکا ہی گئی!
تیرے بستر پہ بھی آخر کو شکن آ ہی گئی!
اب نہیں تجھ میں وہ حوروں کی سی عفت باقی!

[1] جاناں بیگم

حُور تھی تجھ میں گئی، رہ گئی عورت باقی!
ہاں وہ عورت جسے بچّوں کا فسانہ کہئے!
بر بطِ نفس کا اک فحش ترانہ کہئے!
جس میں ہے زہرِ عفونت کا وہ پیمانہ کہیں!
اِک گناہوں کا چھلکتا ہوا مے خانہ کہیں!
سوگوار اپنی جواں موت کا ہونے دے مجھے!
مُسکراؤ، مگر اِس حال پہ رونے دے مجھے!

دل کی ویرانی

نوحہ زارِ عبرت ہے شہرِ دل کی ویرانی
رُوح کی پریشانی
ظلمتِ تغافل میں گم ہے شمعِ عرفانی
نورِ فکرِ انسانی!

شوق ہے عمارت کا کائنات میں اب بھی
شرحِ حیات میں اب بھی
خندہ زن ہیں انجم، پر کاخہائے سلطانی
با ادائے سلطانی

بے چراغ، اب لیکن روح و دل کے ایواں ہیں
خستہ حال و ویراں ہیں
ظلمتوں میں خوابیدہ، ہے دیارِ انسانی
جلوہ زارِ انسانی!

اب بھی باغ و بستاں میں نو بہار سے معمور
سبزہ زار سے معمور

شاخسار پر رقصاں ہے شمیم بستانی
نکہتِ گلستانی!

پر بدل گئی حالت، بزمِ قلبِ انساں کی
نو بہارِ امکاں کی
بن گئی ہے مٹ مٹ کر یادگارِ ویرانی
داغ دارِ ویرانی!

کوہسار ہیں اب بھی شاخسار سے آباد
برگ و بار سے آباد
دامنوں میں رقصاں ہیں آبشارِ نورانی
جوئبارِ نورانی!

روح و دل میں ہیں لیکن سخت آفتیں برپا
ہاں قیامتیں برپا
ہو چکی ہے اب غارت، وہ فضائے روحانی
وہ صفائے روحانی!

اب بھی ساغرِ خورشید، نور کا نشیمن ہے
جلوہ زارِ ایمن ہے
اب بھی ہے شعاعوں میں اس کی، شعلہ سامانی
رنگ و نور و تابانی

رُوح و دل سے ہیں لیکن، کُل حرارتیں رخصت
وہ لطافتیں رخصت!

رہ گئے ہیں سینوں میں قطرہ ہائے بارانی
پرتوِ بیخشانی!

اب بھی ہوتی ہے زینت، ہر مکان و ایواں کی
مسکن و شبستاں کی
ذرّے ذرّے سے روشن ہے فروغِ نورانی
رونق و درخشانی!

چھوڑ دی ہے انساں نے، لیکن ایک مدّت سے
اپنی جہل و غفلت سے
رُوح و دِل کے ایواں کی نوبہار سامانی
افتخار سامانی!

سازِ دہر سے جاری حرص کے ترانے ہیں
فسق کے فسانے ہیں
مٹ گیا ہے ہستی سے ذوقِ پاک دامانی
نقشِ کیفِ روحانی

ہو رہی ہے انساں میں خوئے شیطنت، بیدار
اِک بہیمیت، بیدار
منظروں پہ عریاں ہیں پھر قوائے شیطانی
جذبہ ہائے حیوانی!

برہمن سے رخصت ہیں، آج گیان کی باتیں
اور دھیان کی باتیں

شیخ میں نہیں باقی شیوۂ مسلمانی
پاسِ ذوقِ ایمانی!

حرص و آز کی دُنیا بستی ہے خیالوں میں
بستی ہے خیالوں میں!
بحرِ دل میں طوفاں زن، ہے ہوس کی طغیانی
فسق کی فراوانی

دل نہیں ہیں سینوں میں، عفّتوں کے رہزن ہیں
عصمتوں کے مدفن ہیں
رُوح، جسم میں ہے یا پیکرِ ہوس رانی
مرجِ خیرِ نفسانی

چھا رہے ہیں غفلت کے پردے چشمِ انساں پہ
کُل فضائے امکاں پہ
چند روزہ ہے مہماں، عہدِ عشرتِ فانی!
دورۂ تن آسانی!

نوحہ زارِ عبرت ہے شہرِ دل کی ویرانی!
رُوح کی پریشانی!
ظلمتِ تغافل میں، گُم ہے شمعِ عرفانی!
نورِ فکرِ انسانی!

عاشقانہ موت

عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!
رنگ لایا ہے نیا پھر چرخِ کج رفتار چل!
پھر نظر آتے ہیں برپا، حشر کے آثار چل!
کعبۂ ملّت پہ ہے پھر نرغۂ اشرار چل!
چھوڑ دے، ہاں چھوڑ دے، دُنیا کے کاروبار چل!
پھر اُٹھا لے ہاتھ میں شمشیرِ جوہر دار چل!
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

خونِ افغانی تری رگ رگ میں طوفاں خیز ہے!
جوشِ قومی تیرے دل میں ولولہ انگیز ہے!
جذبۂ غیرت ترے سینے میں آتش ریز ہے!
تیرا تیغہ صاف و روشن، تیرا خنجر تیز ہے!
اور ترے توسن کی ہے برق آشنا رفتار چل!
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

موج زن ہے اک بہارِ بے خزاں قندھار میں!
چار سُو ہے حُرمتِ حق، گُل فشاں قندھار میں!
کوندتی ہیں قومیت کی بجلیاں قندھار میں!
جلوہ گستر ہیں امان اللہ خاں قندھار میں!
ہو رہا ہے جمع، ہر سُو لشکرِ احرار چل!
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

کوئی دن میں انقلابِ آسماں ہونے کو ہے
لشکرِ قندھار پھر کابل رواں ہونے کو ہے
شاہ غازی کا ستارہ پھر جواں ہونے کو ہے
قومی غدّاروں کی ہستی بے نشاں ہونے کو ہے
جھلملاتے ہیں اُفق پر فتح کے انوار، چل!
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

سرفروشی کی ادائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد
ارضِ کابل کی فضائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد
باغِ ملّت کی ہوائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد
اُٹھ بزرگوں کی صدائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد
موت کی وادی ہیں کر، اسلاف کا دیدار، چل!
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

ضیغمِ اسلام امان اللہ غازی زندہ باد
سایۂ اقبال او چوں آسماں پائندہ باد
بر جبینش تا ابد نورِ ظفر تابندہ باد
حاسدش را نخلِ عمر از بیخ و بن برکندہ باد

گونجتے کو ہے فضا میں نعرۂ احرار، چل!
عاشقانہ موت مرنا ہے تو چل، قندھار چل!

"یورہائی نس"!

(نا تمام)

میں جب کمسن تھا اور تو اپنے سینے سے لگاتی تھی!

تری ہنستی ہوئی نظروں سے مجھ کو شرم آتی تھی!

مچلتا تھا میں تیری گود سے باہر نکلنے کو

مگر تو اِک ادائے مطمئن سے مسکراتی تھی!

ترے وہ گیت، اب تک گونجتے ہیں میرے کانوں میں

جنہیں میرے لئے لکھتی تھی تو اور گنگناتی تھی!

سمجھتا تھا بہت کم، مطلب ان گیتوں کا میں لیکن
تری اس شوخیٔ گویا سے مجھ کو شرم آتی تھی!

ترا وہ مخملی بستر، ابھی تک یاد ہے مجھ کو
مجھے سردی کے ڈر سے، جس میں تو اکثر سلاتی تھی!

وہ بستر، یاسمیں بستر، سراسر عنبریں بستر!
مہک سے جس کی، حورانِ جناں کو نیند آتی تھی!

میں سو جاتا تھا جب رنگیں دلائی اوڑھ کر، تیری
تو اپنے مرمریں ہاتھوں سے مجھ کو گدگداتی تھی!

وہ تیری خوابگہ کے نیلگوں ابریشمی پردے!
سرِ شام آکے نرگس جن کو چپکے سے گراتی تھی!

دماغ اب تک معطر ہے تری مستانہ خوشبو سے
ترے گجروں کی کلیوں کو بھی جو بے خود بناتی تھی!

ترا مشکیں تنفّس بس رہا ہے اب بھی ہونٹوں میں!
اثر سے جس کے اک لرزش سی دل میں تیر جاتی تھی!

تری رنگیں جوانی نقش ہے اب تک، مرے دل پر
جو تیرے پھول سے پیکر کے اندر لہلہاتی تھی!

تری وہ محفلیں آباد ہیں اب تک تصوّر میں
تو جن میں، اپنی گڑیا سے مری شادی رچاتی تھی!

تری آنکھیں، وہ شوخ آنکھیں نہیں بھولیں ابھی مجھ کو
کہ جن میں اک رسیلی مسکراہٹ جھلملاتی تھی!

مگر اے شاہزادی، آج کچھ تجھ کو خبر بھی ہے؟
کہ وہ کم سن جسے تو اپنے سینے سے لگاتی تھی!

وہ شاعر ہے کہ دنیا میں کہانی اُس کی رُسوا ہے!
وہ رسوا، اُس کا دل رسوا، جوانی اُس کی رُسوا ہے!

آرزوئے یک جوانِ افغانی!

تشجیع

من شیرِ نوجوانم و میدانم آرزو است — افغانم و شجاعتِ افغانم آرزو است
با ساقی و مغنّی و دلبر مرا چہ کار؟ — تیغ و تفنگ و خنجرِ برّانم آرزو است!
رُخ سوئے ساغر و مے و مینا نیاورم! — تیر و سنان و خنجر و پیکانم آرزو است!
با سفلہ ہم نبرد شوم، عار آیدم! — جنگِ ہزار رستمِ دستانم آرزو است!

ای آنکه سر به کنجِ سلامت نهاده ای! — با من مبا که شیرِ نیستانم آرزو است!
ای آنکه، زخمِ تیغِ حریفان نخورده ای! — نوکِ سنان بخونِ رگِ جانم آرزو است!
آزادیِ وطن که به ایمان برابر است! — ایمانِ من همین، فقط ایمانم آرزو است!
ناموسِ ملک و قوم به قرآن برابر است! — قرآن گواه، حرمتِ قرآنم آرزو است!
اهریمنانِ سفله ز دستم کجا روند؟ — هان! همتی، که ملکِ سلیمانم آرزو است

اختر تو بگیر تیغ و دلیرانه بازگو!
من شیرِ نوجوانم و میدانم آرزو است!

پشیمانِ آرزو!

علاجِ دردِ دلِ بے قرار کر لیتے!
تلافیٔ غمِ لیل و نہار کر لیتے!
ستم شعار کو جی بھر کے پیار کر لیتے!
فسانۂ غمِ فرقت انہیں سناتے ہم
جو ہم پہ گزری ہے حالت انہیں دکھاتے ہم
اور اپنے ساتھ انہیں اشکبار کر لیتے!

یہ کہتے "چاکِ گریباں کو دیکھیے تو سہی!
ہمارے حالِ پریشاں کو دیکھیے تو سہی!"

اور اِس بہانے اُنہیں ہمکنار کر لیتے!

جفائے چرخِ ستمگار نے نہ دی مہلت
ہمارے بختِ جفا کار نے نہ دی مہلت

کہ اُن کے قدموں پہ ہم جاں نثار کر لیتے!

امیدِ وصل کبھی کامیاب ہو نہ سکی!
دعائے نیم شبی مستجاب ہو نہ سکی!

کہ دردِ دل سے اُنہیں بیقرار کر لیتے!

الٰہی! موت کے کیا کیا مزے نہ لیتے ہم!
کسی کے زانو پہ سر رکھ کے جان دیتے ہم!

اور اپنے غم میں اُنہیں سوگوار کر لیتے!

گر اُن کے وعدے کا کچھ بھی ہمیں یقین ہوتا
تو دل میں درد، زباں پر گلہ نہیں ہوتا
غمِ فراق کو بھی خوشگوار کر لیتے!

دلِ حزیں کو ہمیشہ یہ آرزو ہی رہی
نگاہِ شوق کو ہر دم یہ جستجو ہی رہی
پرستشِ رُخِ رنگیں بہار کر لیتے!

گر ابتدائے محبّت میں موت آ جاتی
سکونِ خوابِ عدم کا مزہ چکھا جاتی
تو زندگی کو نہ یوں ناگوار کر لیتے!

ستم ہے اُس بُتِ زہرہ جبیں کو کھو بیٹھے
اور اپنی زیست سے ہم نا امید ہو بیٹھے
اُسی پہ کاش ہم اُس کو نثار کر لیتے!

"نسشتے" میں قطبِ شمالی کے پار اُتر جاتے
طلسمِ ماہ و ثریّا سے بھی گزر جاتے
گر ایک بار بھی ہم اُن کو پیار کر لیتے!

حبابِ عالمِ فانی کو چھوڑ دیتے ہم!
حصارِ چرخِ بریں کو بھی توڑ دیتے ہم!
اگر کبھی ہم انہیں ہمکنار کر لیتے!

خدائی بھر میں کسی شئے کی جستجو ہی نہ تھی!
سوائے اس کے کچھ آخر کی آرزو ہی نہ تھی!
"ستم شعار کو جی بھر کے پیار کر لیتے"!

فتحِ کابل

(ترانہ)

ساقی ورودے! پر جام و ساغر!
مطرب سرودے! با لحنِ خوش تر!
آمد نویدے! چوں گُل معطّر!
کز فضلِ حق شد نادر مظفّر!

وز تیغ او گشت! کابل مسخّر!
الله اکبر! الله اکبر!

یک چند کابل وقف ستم شد!
افغانیان را وان حرف غم شد!
هر قلب حسّاس صید الم شد!
وامروز آخر دل شاد و خرم شد!
بر تیغ نادر! شمشیر دلاور
الله اکبر! الله اکبر!

یک چند ملّت مدهوش گشته!
در قعر ذلّت روپوش گشته!

باشبیرِ قالیں ہمدوش گشتہ!
بر جورِ سقا! خاموش گشتہ!
برداشت آخر تیغ و پیکر!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

شیران افغاں خوابیدہ بودند!
دلہائے ملت ترکیدہ بودند!
برخاک سستی لغزیدہ بودند!
در قعرِ ظلمت نخبیدہ بودند!
آخر عیاں شد! صبحِ منور!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

از غیب آمد! یک مردِ سنگی!
افشنده پیکر! با رُوحِ جنگی!
از سطوتِ او! دل چاک زنگی!
وز ہیبتِ او! لرزاں فرنگی!
ضرغامِ پُر دل! شبیرِ دلاور!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

بالا بلندے! روئیں قبائے!
دارا شکوہے! خسرو ادائے!
تیمور تمثال! رستم نمائے!
نادر مثیلے! نادر لقائے!
شمشیر در کف! صمصام در بر!

اللہ اکبر! اللہ اکبر!

از خاکِ مغرب! آمد چہ طوفاں!
با چشمِ پُر خوں! با جانِ جوشاں!
در عشقِ ملّت! دل چاک بریاں!
در کف نمایاں! شمشیرِ بُرّاں!
گوئی درخشاں! صمصامِ داور!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

غمخوارِ ملّت! او را چہ دیدند!
شیرانِ افغاں! از جا جہیدند!
چوں رعد و باراں! یک یک رسیدند!

تیغ از نیام — رو یکی کشیدند!
تیغے! چہ تیغے! — یک برقِ مضطر!
اللہ اکبر! — اللہ اکبر!

با فوجِ احرار! — نادر بروں شد!
قوم و وطن را! — او رہنموں شد!
دلہائے اعدا! — در سینہ خوں شد!
افواجِ سقّا! — زار و زبوں شد!
وز دستِ او شد! — کابل مسخّر!
اللہ اکبر! — اللہ اکبر!

تختِ امانی! — آباد بادا!!

شمشیرِ نادر! آزاد بادا!!
شاہِ ولی خاں دلشاد بادا!!
اعدائے محمود! برباد بادا!!
کز تیغ شاں گشت! ملت مظفر!
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام میاں فیروز الدین پرنٹر چھپوا کر کتاب منزل لاہور سے شائع کیا

۸۹۱۵۶۳۱۴

DUE DATE

۳۲۱۷۲